وش NEWS

Monthly Visionary Karachi
ABC Certified

ماہنامہ

وژنری

کراچی

April-2026

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز (CPNE)

جنگ، ہجرت اور معیشت:
کیا پاکستان ایک نئے دباؤ کیلئے تیار ہے؟

آبنائے ہرمز میں کون غرق ہوگا؟

بلوچستان حکومت کا متنازعہ بل اور سسکتی کتابیں

بلوچ مقدمہ: اصولی جدوجہد یا اسٹیبلشمنٹ سے قربت

گوادر انٹرنیشنل
پرائیویٹ ممبرز کلب
گوادر جمخانہ کی جانب سے گوادر کے سب سے بڑے
انٹرنیشنل کرکٹ گراؤنڈ کا افتتاح
اسپورٹس ٹورازم کے لیے ایک لینڈ مارک، گوادر جمخانہ کی ورلڈ کلاس کرکٹ
فیسیلٹی مستقبل کے چیمپئنز اور گلوبل ایونٹس کی میزبانی کے لیے تیار ہے!
UAN: +9221 111-947-111
www.gwadargymkhana.com.pk

ABC Certified
S.S.No.:76/08

Monthly
VISIONARY
Magazine

ماھنامہ

وژنری کراچی

سال:16	شوال المکرّم 1447 ہجری، اپریل 2026	جلد:16	شمارہ:04

چیف ایڈیٹر:	محمد احمد اقبال بلوچ
ایگزیکٹو ایڈیٹر:	میر ابوبکر بلوچ
ایڈیٹر:	محمود عالم (خالد)
مینیجنگ ایڈیٹر:	مریم مناج بلوچ
معاونِ خصوصی:	پرنس احمد علی زئی بلوچ، ڈاکٹر پروفیسر رمضان بامری، الطف بلوچ، ثمینہ یاسر فاطمہ یومان، سردار شوکت پوپلزئی
مجلس مشاورت:	عفراء سعدیہ، ہما، انعم لودھی، سدرہ سلمان، شائلہ ظفر حبیبہ خانم
سرکولیشن	مہوش بشیر
ایڈورٹائزنگ:	جمال 0336-0022732 رمان خان 0333-0166745
لیگل کنسلٹنٹ:	ایڈووکیٹ زینب کاشانی
کمپوزنگ وڈیزائننگ	عبدالہادی

قیمت:300روپے | زرِسالانہ:3000روپے

فہرست

01 کیا ایسا نہیں؟ (نظم)	احمد اقبال بلوچ	06
02 ڈٹ کے کھڑا ہے ایران	اداریہ	07
03 جنگ، ہجرت اور معیشت: کیا پاکستان ایک نئے دباؤ کیلئے تیار ہے؟	احمد اقبال بلوچ	08
04 امریکہ اور ایران کے درمیان مفاہمت انتہائی مشکل بلکہ ناممکن	شیراز پراچہ	10
05 آبنائے ہرمز میں کون غرق ہوگا؟	انور ساجدی	13
06 بلوچستان حکومت کا متنازعہ بل اور سسکتی کتابیں	ساجد نور	16
07 آبنائے ہرمز میں خلل اور پاکستان کی معیشت	وژنری رپورٹ	18
08 آیت اللہ خامنہ ای کا قتل، امریکی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی	فاطمہ بھٹو	20
09 بلوچ مقدمہ: اصولی جدوجہد یا اسٹیبلشمنٹ سے قربت	گہرام اسلم بلوچ	21
10 ایک نئی اقوامِ متحدہ	فقیر الیس ایاز الدین	23
11 نواز شریف کے نام کھلا خط	میر اسرار اللہ زہری	24
12 ادبی اداروں کی خودمختاری	ڈاکٹر توصیف احمد خان	25
13 بلوچستان کی خواتین کو لاحق صحت کے خطرات	وژنری رپورٹ	27

نمائندگان - اندرون ملک

کوئٹہ:	بلال فیروز	2472267-0336
گوادر:	ساجد نور	3066727-0303
کیچ:	ماجد صمد	8109170-0323
خضدار:	مرتضیٰ بلوچ	7973925-0333
کراچی:	حیات بلوچ	2719585-0345
پنجگور:	عمر ماجد۔	2316106-0332
حب:	جبار بلوچ	2411812-0333
خاران:	شعید ملنگزو،	7899380-0333
اوتھل:	سراج شیخ۔	3503236-0345
نصیر آباد:	ریاض بلوچ	7707283-0333
جعفر آباد:	مصری بگٹی	3435786-0342
جیکب آباد:	بشیر بلوچ	7345969-0333
میر پور خاص	: اسلام بلوچ	3801115-0310

نمائندگان - بیرونِ ملک

یو اے ای:	جمال ناصر	971527266343
کراچی:	علی بخش بلوچ	2277639-0300
کراچی:	جواد علی	2450252-0348

SUBSIDIARY OF VISIONARYGROUP PAKISTAN

ماھنامہ وژنری کراچی

وژنری NEWS

چیف ایڈیٹر اینڈ پبلشر محمد احمد اقبال بلوچ نے سن شائن پرنٹرز 17 اعجاز سینٹر جمگی صدر سے چھپوا کر ہیڈ آفس وی جی ہاؤس، دی پلازہ، سویٹ نمبر 207، دوسری منزل، خیابان اقبال، بلاک 9، کلفٹن، کراچی سے شائع کیا۔

www.visionarygroup.com.pk UAN: +92 21 111 947 111

کیا ایسا نہیں ؟

صرف قتل ہی تو کیا ہے بات دبا دو
یا میرے جج سے باعزت بری کرا دو

وکیلِ مخالف ایماندار ہے بکتا نہیں چلو
پھر جج کے سالے کو وکیلِ قاتل بنا دو

اپنے پرائیویٹ اسپتال میں رہے گا بچہ اپنا
ورنا میرے جیل کے کمرے کو پھر سے سجا دو

مقتول کی ماں کو خوب ڈراؤ کہ صلح کر لے
ورنہ اسکے میاں کو نیا سازگار رکشہ دلا دو

دیکھو میرے حلقے میں بغاوت نہ اٹھنے دینا
باغیوں پر پرچے کرا کے اخبار میں چھپوا دو

مدت سے لوٹا قومی خزانہ میرے کس کام کا
تمام پیسہ میرے فرزند کو چھڑانے پہ لگا دو

جھوٹے گواہوں کی پرواہ نہ کرنا سب بکاؤ ہیں
ہاتھ تھر تھراہیں وقت حلف تو اور نوٹ تھما دو

میرے بیٹے کی ماں سے کہو نہ روئیں اتنا
بعد از دعا امام و مدرسے کے بچوں کو لنگر کھلا دو

اولاد سے محبت غریب ماں کا عذاب ہو گیا
راضی نا ہوئی بڑھیا اسکو بھی ابدی نیند سلا دو

ایوان و عدالت میں سنوائی نہیں مظلوم کی
احمد یہ فقط نعرہ ہے ظلم کو خاک میں ملا دو

احمد اقبال بلوچ
ایوان اقبال کراچی

اداریہ

ڈٹ کے کھڑا ہے ایران

ہم سب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ سرزمین فلسطین کے لوگ کئی دہائیوں سے اسرائیلی بربریت کا شکار بنتے آرہے تھے، مگرنیتن یاہو کی حکومت نے ظلم وبربریت کی وہ مثالیں قائم کی جس نے چنگیز اور ہلاکو خان کو پیچھے چھوڑ دیا جب اس کی افوج نے ہزاروں فلسطینیوں کا قتل عام کیا جن میں بچے، بوڑھے اور خواتین شامل تھے اس کے ساتھ شہری املاک کو کھنڈر میں تبدیل کردیا اور دنیا میں کوئی اس کی بربریت کو روکنے والا موجود نہیں تھا۔ اسرائیل کے اس عمل کے خلاف دنیا بھر میں کروڑوں لوگ سڑکوں پر آئے، لیکن اس کو ان مظالم سے باز نہیں رکھ سے اور اس تمام عمل میں اس کو دنیا کی سپر پاور امریکہ کی کھلی سرپرست حاصل رہی۔

ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ اسرائیل اور امریکہ نے رمضان کے مقدس مہینے میں اپنی پوری قوت سے ایران پر حملہ کردیا اور بہانہ یہ بنایا گیا کہ ایران ایٹمی ہتھیار بنانے کی صلاحیت حاصل کرنے والا ہے۔ ساری دنیا اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ ایران نے کبھی امریکہ اور اسرائیل کی بالادستی کو قبول نہیں کیا جس کی بھاری قیمت وہ پابندیوں کی شکل میں ادا کرتا چلا آرہا ہے۔ دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ امریکہ اور اسرائیل کی طرف سے شروع کی جانے والی اس جنگ میں شدید بمباری کے باوجود ایران اس جنگ کے ہر محاذ پر ڈٹ کے کھڑا ہے اور اس نے اپنے میزائلوں کے ذریعے اسرائیل میں تباہی مچادی ہے، گوکہ اسرائیل نے اپنے ملک میں ہر قسم کے میڈیا پر پابندی عائد کررکھی ہے کہ حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی خبر باہر نہیں جا سکتی لیکن سب کو معلوم ہے کہ اسرائیل میں ایرانی حملوں کے نتیجے میں بے پناہ جانی ومالی نقصانات کی نئی تاریخ رقم ہوئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ اور اسرائیل کی بمباری کے نتیجے میں ایران کے سپریم کمانڈر آیت اللہ خامنہ ای سمیت متعدد مرکزی رہنما شہید ہوئے لیکن دنیا دیکھ رہی ہے کہ ایرانی قوم اس جنگ میں انتہائی جواں مردی کے ساتھ اپنی لیڈرشپ کے ساتھ کھڑی ہیں اور اپنے سے بہت زیادہ وسائل اور جدید جنگی اسلحہ رکھنے والے دونوں ملکوں کو ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ اس جنگ کا دورانیہ کتنا طویل ہوسکتا ہے اس بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ امریکہ سمیت دنیا بھر کے جنگی ماہرین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ امریکہ اسرائیل کے کہنے پر اس جنگ میں بری طرح پھنس چکا ہے اور اب اس سے نکلنے کا راستہ تلاش کررہا ہے کیوں کہ یورپ سمیت دنیا کے ملکوں نے اس جنگ میں اس کا ساتھ دینے سے انکار کردیا ہے۔ خبریں آنا شروع ہوچکی ہیں کہ کوئی معاہدہ ہونے جارہا ہے اور اس میں پاکستان کا مرکزی کردار ہے۔ موجودہ صورتحال میں پاکستان کا کردار انتہائی اہم ہے کیوں کہ پاکستان اسلامی دنیا کی واحد ایٹمی طاقت ہے اور اس کے تمام اسلامی ملکوں سے انتہائی دوستانہ تعلقات ہیں۔ میری دعا ہے کہ ظلم کا خاتمہ ہو، مظلوموں کو انصاف ملے اور دنیا امن کا گہوارہ بنے کیوں کہ جنگ کبھی بھی مسئلے کا حل نہیں رہی ہے۔

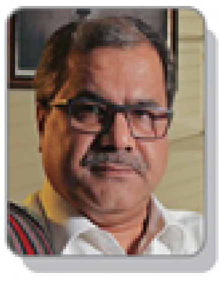

آپ کا احمد اقبال بلوچ

احمد اقبال بلوچ (چیف ایڈیٹر)

جنگ، ہجرت اور معیشت

کیا پاکستان ایک نئے دباؤ کے لیے تیار ہے؟

سوال یہ نہیں کہ بحران آئے گا یا نہیں، سوال یہ ہے کہ جب آئے گا تو کیا ہم اس کے لیے تیار ہوں گے؟

خطے میں حالیہ جنگی فضا نے ایک بار پھر جنوبی اور مغربی ایشیا کو غیر یقینی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اگرچہ گولیاں اور میزائل براہ راست پاکستان کی سرزمین پر نہیں برس رہے، مگر اس کے اثرات سرحدوں سے کہیں آگے تک محسوس کیے جا رہے ہیں۔ تاریخ ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ جنگیں صرف میدانِ جنگ تک محدود نہیں رہتیں بلکہ وہ انسانی نقل مکانی، معاشی عدم استحکام اور سماجی دباؤ کی صورت میں پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ آج سب سے بڑا خدشہ یہی ہے کہ اس ممکنہ یا جاری تصادم کے نتیجے میں پاکستان سمیت ہمسایہ ممالک میں ہجرت کی ایک نئی لہر جنم لے سکتی ہے، ایک ایسی لہر جو پہلے سے کمزور معیشت پر مزید بوجھ ڈال دے گی۔

ہجرت: ایک خاموش مگر شدید بحران

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب بھی کسی خطے میں جنگ بھڑکتی ہے تو سب سے پہلا اور فوری اثر انسانی نقل مکانی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ چاہے وہ افغانستان کی دہائیوں پر محیط جنگ ہو یا مشرق وسطیٰ کے حالیہ تنازعات، پاکستان ہمیشہ ایک "فرنٹ لائن اسٹیٹ" کے طور پر متاثر ہوا ہے۔ اگر ایران اور خلیجی خطے میں کشیدگی بڑھتی ہے، تو اس کے نتیجے میں دو طرح کی ہجرت متوقع ہے۔ براہِ راست مہاجرین جو جنگ زدہ علاقوں سے نکلیں گے اور معاشی ہجرت جہاں لوگ غیر یقینی حالات کے باعث محفوظ اور نسبتاً مستحکم ممالک کا رخ کریں گے۔

ایران کے ساتھ پاکستان کی طویل سرحد اس حوالے سے خاصی حساس ہے۔ اگر ایران میں عدم استحکام بڑھتا ہے تو بلوچستان کے راستے پاکستان میں داخل ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ یہ صورتحال نہ صرف انتظامی چیلنج پیدا کرے گی بلکہ مقامی آبادی کے ساتھ وسائل کی کشمکش کو بھی جنم دے سکتی ہے۔

معیشت: پہلے سے کمزور، مزید دباؤ میں

پاکستان کی معیشت پہلے ہی کئی محاذوں پر دباؤ کا شکار ہے، بیرونی قرضے، مہنگائی، کرنسی کی گراوٹ اور توانائی کا بحران۔ ایسے میں اگر مہاجرین کی ایک نئی لہر آتی ہے تو اس کے اثرات کئی سطحوں پر محسوس ہوں گے۔

مہاجرین کی رہائش، خوراک، صحت اور سکیورٹی کے انتظامات

کے لیے بھاری وسائل درکار ہوتے ہیں۔ ماضی میں افغان مہاجرین کی میزبانی نے پاکستان کی معیشت پر اربوں ڈالر کا بوجھ ڈالا، جس کا مکمل ازالہ عالمی برادری بھی نہ کر سکی، مہاجرین کی آمد سے سستی لیبر میں اضافہ ہوتا ہے، جو مقامی مزدوروں کے لیے روزگار کے مواقع کم کر سکتا ہے اور اجرتوں میں کمی کا باعث بن سکتا ہے۔

مہنگائی کا گراف اس لیے اوپر چلا جاتا ہے کہ جب طلب بڑھتی ہے اور رسد محدود رہتی ہے تو اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں اضافہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر خوراک اور رہائش کے شعبے اس سے شدید متاثر ہوتے ہیں۔ ہجرت کا مسئلہ صرف معاشی نہیں بلکہ سکیورٹی اور سماجی پہلو بھی رکھتا ہے۔ بڑی تعداد میں لوگوں کی اچانک آمد سے سکیورٹی خدشات بڑھ سکتے ہیں، جرائم میں اضافہ ہو سکتا ہے اس کے ساتھ مقامی اور مہاجر آبادی کے درمیان تناؤ پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ وہ عوامل ہیں جو ریاستی اداروں کے لیے ایک پیچیدہ چیلنج بن جاتے ہیں، خاص طور پر ایسے وقت میں جب وسائل پہلے ہی محدود ہوں۔

ایک نظر عالمی تناظر پر

''United Nation High Commissioner for Refugees'' کے مطابق دنیا بھر میں جبری ہجرت کرنے والوں کی تعداد پہلے ہی ریکارڈ سطح پر ہے۔ کسی بھی نئے تنازع کا مطلب یہ ہوگا کہ اس بوجھ میں مزید اضافہ ہوگا اور پاکستان جیسے ممالک، جو پہلے ہی مہاجرین کی بڑی تعداد کو سنبھال رہے ہیں، اس دباؤ کو سب سے زیادہ محسوس کریں گے۔

کیا کوئی راستہ موجود ہے؟

یہ صورتحال ناگزیر نہیں، مگر اس کے لیے پیشگی حکمت عملی اختیار کرنا ضروری ہے۔ پاکستان کو چاہیے کہ وہ علاقائی تنازعات میں غیر جانبداری کو برقرار رکھے تاکہ وہ براہِ راست اثرات سے بچ سکے، بہتر بارڈر مینجمنٹ کے ذریعے غیر منظم ہجرت کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے، عالمی اداروں اور ترقی یافتہ ممالک سے بروقت مالی اور تکنیکی مدد حاصل کرنا ضروری ہوگا اس کے ساتھ طویل المدتی حل کے لیے داخلی معاشی استحکام لانا ناگزیر ہوگا۔

ایک سبق جو بار بار دہرایا جا رہا ہے

پاکستان ایک بار پھر ایک ایسے موڑ پر کھڑا ہے جہاں اسے اپنے ماضی سے سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ جنگیں چاہے کہیں بھی لڑی جائیں، ان کے اثرات سرحدوں کے پابند نہیں ہوتے۔ اگر ہم نے بروقت منصوبہ بندی نہ کی، تو ہجرت اور معاشی دباؤ کا یہ ممکنہ طوفان نہ صرف ہماری معیشت بلکہ سماجی ڈھانچے کو بھی ہلا کر رکھ سکتا ہے۔ سوال یہ نہیں کہ بحران آئے گا یا نہیں، سوال یہ ہے کہ جب آئے گا تو کیا ہم اس کے لیے تیار ہوں گے؟

امریکہ اور ایران کے درمیان مفاہمت انتہائی مشکل بلکہ ناممکن

ایران کے خلاف حالیہ جارحیت زوال پزیر امریکی ایمپائر کو متشدد طریقے سے دوبارہ طاقت ور بنانے کی ایک اور بھونڈی کوشش ہے

شیراز پراچہ

اس انتہائی خطرناک اور تباہ کن تنازعے میں پاکستان کے ثالث بننے کی کوششیں پاکستان کے لئے ایک بہت بڑا امتحان ثابت ہو سکتی ہیں۔ صدر ڈونلڈ ٹرمپ صیہونی ارب پتیوں جو سیلیکون ویلی کی ہائی ٹیک کمپنیوں اور وال سٹریٹ کے مالک ہیں کے ساتھ ساتھ امریکی ملٹری انڈسٹریل کمپلیکس کے مکمل نرغے میں ہیں۔ صیہونی گریٹر اسرائیل قائم کر کے اے آئی اور بہت سی نئی اور آنے والی ٹیکنالوجیز کا مرکز بنانا چاہتے ہیں جہاں سے اور جنکے ذریعے وہ دنیا کو کنٹرول کریں گے۔ انکے خیال میں یوں گریٹر اسرائیل دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن جائے گا۔

امریکہ کا دفاعی بجٹ پہلے ہی چین، روس اور بھارت کے مشترکہ دفاعی بجٹ سے زیادہ ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ اسے 900 ارب ڈالر سے بڑھا کر ایک کھرب چھ سو ارب ڈالر کرنا چاہتے ہیں جبکہ امریکی محکمہ دفاع جسے اب وار ڈیپارٹمنٹ کہا جاتا ہے ایران پر امریکی جارحیت کے بعد مزید 200 ارب ڈالر طلب کر رہا ہے جو کہ اسے مل جائیں گے۔ یوں امریکہ کا ملٹری انڈسٹریل کمپلیکس اپنے پاؤں پھیلاتا جا رہا ہے۔ یہ سب ایسے وقت ہو رہا ہے جب امریکی کا داخلی اور خارجی قرضہ 39 کھرب ڈالر تک جا پہنچا ہے اور امریکی ڈالر کی حقیقی ویلیو وہ نہیں جو دکھائی دیتی ہے۔

امریکہ کی قرضوں میں ڈوبی معیشت کو خلیجی عرب ریاستیں قائم رکھے ہوئے ہیں یہ 1970 کی دہائی سے اپنا تیل و گیس امریکی ڈالرز میں فروخت کرنے کی پابند ہیں۔ عرب شیخ ڈالروں میں تیل بیچ کر اپنی کمائی واپس امریکی معیشت میں انوسٹ کر دیتے ہیں یوں پٹرو ڈالر امریکی معیشت کو زندہ

رکھے ہوئے ہیں لہذا پیٹروڈالر کی بالادستی برقرار رکھنے کے لئے مشرق وسطیٰ پر امریکی و اسرائیلی کنٹرول لازمی ہے اور یہ اس جارحیت اور گزشتہ 80 سال سے جاری امریکی جنگوں کی ایک بڑی وجہ ہے۔

پاکستان اس پیچیدہ اور مگرمچھوں کے مفادات کی وجہ سے پیدا شدہ اس بحران کو نہیں سلجھا سکتا مگر پاکستان کا مسئلہ سعودی عرب کے منہ زور اور تند خوڈی فیکٹو حکمران محمد بن سلمان اور متحدہ عرب امارات کے شاطر اور مادہ پرست امیر اور انکا خاندان ہیں۔ یہ دونوں عرب موروثی حکمران پاکستان پر دباؤ ڈال رہے ہیں بلکہ پاکستان کو بلیک میل کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ محمد بن سلمان اور اماراتی دونوں کے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے خاندان اور صیہونیوں سے کاروباری تعلقات ہیں۔ انھوں نے ڈونلڈ ٹرمپ اور انکے داماد کے کئی منصوبوں میں سرمایہ کاری کر رکھی ہے۔ یہ دونوں اسرائیل کے ماتحت رہنے کو بھی تیار ہیں اور مغربی ایشیا پر اسرائیلی کنٹرول کے منصوبے میں جونیئر پارٹنرز بننے پر بھی تاہم یہ دونوں ایران کو اپنے منصوبوں کی راہ میں روکاوٹ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے یہ ایران کے خلاف حالیہ صیہونی جارحیت میں سہولت کاری کر رہے ہیں۔ مغربی میڈیا رپورٹس کے مطابق صدر ٹرمپ کو ایران پر حملہ کرنے کی شہ دینے والوں میں محمد بن سلمان بھی شامل تھے۔

ایران کے اسرائیل سے تنازعے کی وجہ ایران کی جانب سے فلسطین کی آزادی کی عملی مدد اور حمایت ہے۔ ایران کی فلسطینیوں کی حمایت اور مشرق وسطیٰ میں صیہونی بالادستی کو تسلیم نہ کرنا، امریکی عیسائی اور یہودی صیہونیوں کی ایران دشمنی کا سبب ہے۔ چونکہ خلیجی عرب حکمرانوں کو فلسطین یا
وہاں

کے لوگوں کی کوئی پرواہ ہے نہ وہ حقیقی معنوں میں علیحدہ فلسطینی ریاست کے قیام کے حق میں ہیں لہذا یہ عرب شیخ امریکہ کے پسندیدہ ہیں، پھر ان عربوں نے اپنے سارے وسائل اور دولت کا بڑا حصہ بھی امریکہ کے حوالے کیا ہوا ہے اور بدلے میں یہ اپنی آمرانہ سلطنتیں برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

امریکہ، اسرائیل اور انکے عرب اور یورپی حواریوں کا خیال تھا
کہ ایران اس

وقت کمزور ہے

چنانچہ یہ وقت اس پر کاری ضرب لگانے کے لئے مناسب ہے۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق اسرائیل کی خفیہ ایجنسی کے سربراہ اور اسرائیلی وزیر اعظم نے امریکی صدر کو یقین دلایا تھا کہ اسرائیل اور امریکہ کی جانب سے ایران کے سپریم لیڈر اور دوسری قیادت کے قتل کے بعد دو چار روز میں ایران میں رجیم چینج ہو جائے گا تاہم
ایران کے خلاف

اسرائیلی اور امریکی جارحیت چار ہفتے گزر جانے کے باوجود اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے اور امریکہ کو لینے کے دینے پڑ چکے ہیں، نتیجتاً اس جارحیت کا خاتمہ اب امریکہ کی ضرورت بن چکا ہے۔ اس وقت امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ تنکوں کے سہارے ڈھونڈ رہے ہیں تاکہ اس گرداب سے نکل سکیں لیکن وہ اپنی شروع کردہ اس جنگ سے اپنی شرائط پر نکلنا چاہتے ہیں جو کہ بہت مشکل ہے۔

اسرائیل اور امریکہ ایران کو تباہ و برباد کر رہے ہیں لیکن اس قدر وحشیانہ اور اندھا دھند بمباری اور اپنی قیادت کے مسلسل قتل عام کے باوجود ایران اپنے سے کئی گنا طاقتور ممالک کا نہ صرف مقابلہ کر رہا ہے بلکہ انکے مالی اور فوجی مفادات کو زک بھی پہنچا رہا ہے۔ احساس برتری اور تکبر سے بھرے امریکی اور اسرائیلی صیہونیوں کے لئے ایک "پس ماندہ" ملک کی طرف سے اس طرح کی جوابی کاروائیاں اور مزاحمت ناقابل برداشت ہے۔

زیادہ تر غیر مغربی اقوام ابھی تک مغرب کے اصل چہرے کو نہیں پہچان سکی ہیں حالانکہ مغربی اقوام نے غیر مغربی اقوام کے کروڑوں افراد کو قتل کیا ہے، صدیوں غیر مغربی سرزمینوں میں خون کی ہولیاں کھیلی ہیں اور وہاں کے وسائل کو بے دردی سے لوٹا ہے۔ اگرچہ گزشتہ سوڈیڑھ سو سال سے مغربی دنیا خود کو مہذب، پرامن اور جمہوریت اور انسانی حقوق کا چیمپین قرار دیتی ہے اور 20 ویں صدی کے دوران مغرب نے سوویت یونین اور سوشلسٹ بلاک کے مقابلے میں خود کو برتر بنا کر پیش کیا مگر حقیقت یہ ہے کہ مغربی مائنڈ سیٹ اب بھی کروسیڈرز والا اور سفید فام احساس برتری پر استوار ہے۔

مغربی تہذیب سلطنت روم کے دور سے لیکر اب تک تشدد، قتل عام، خون خرابے اور جنگ وجدل کی عادی اور تشدد ہی کی زبان جانتی ہے۔ یورپی عیسائیت نے مسلمانوں پر تین صلیبی جنگیں مسلط کیں۔ وحشی عیسائی فوجوں نے اندلس (سپین) میں مسلمانوں کی حکومت ختم کر کے ظلم و بربریت کے ریکارڈ قائم کئے اور کتب خانے جلا کر اپنی جہالت اور علم دشمنی کا ثبوت دیا۔ مغربی طاقتوں نے

ایشیائی، شمالی اور جنوبی امریکی اور افریقی اقوام پر سامراجی حملے کیے اور وہاں بندوق اور سازش کے ذریعے اپنی کالونیاں قائم کیں۔ سارا یورپ صدیوں تک مذہب کے نام پر ایک دوسرے کا خون بہاتا رہا اور یہ سلسلہ 1945 میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمے تک جاری رہا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد مغرب نے مہذب، جمہوری اور انسان دوست ہونے کا نقاب اوڑھا مگر سرد جنگ کے دوران سوویت یونین کو شکست دینے کے لئے خوفناک اور خون ریز سازشیں کیں۔ کوریا و ویت نام کی جنگیں اور افغان جہاد ان خون آشام مغربی جنگی پراجیکٹس کی مثالیں ہیں۔ امریکہ کے موجودہ صدر ڈونلڈ ٹرمپ اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ انھوں نے ان امریکی سامراجی پالیسیوں اور منصوبوں کو کھول کر رکھا دیا ہے۔ وہ کسی گینگسٹر کی طرح ان امریکی پالیسیوں پر عمل بھی کر رہے ہیں جن سازشوں اور سامراجی منصوبوں کو بل کلنٹن اور براک اوبامہ جیسے امریکی صدور مہذب انداز میں پیش کیا کرتے تھے اور خوشنما، پرفریب باتوں اور دعوں میں چھپایا کرتے تھے۔

فروری 2026 میں جرمنی کے شہر میونخ میں عالمی سیکورٹی کانفرنس سے اپنے خطاب میں امریکی وزیر خارجہ اور نیشنل سیکورٹی ایڈوائزر مارکو روبیو نے بانگ دہل کہا کہ ماضی میں یورپ اور مغربی ممالک نے دوسرے علاقوں پر جو قبضے کیے، وہاں کے لوگوں کو صدیوں تک اپنا غلام رکھا اور نوابادیاتی کالونیاں قائم کیں وہ سب مغرب کے قابل فخر کارنامے ہیں۔ روبیو کے مطابق 1945 سے پہلے اور 1917 کے سوویت انقلاب سے قبل کا دور مغربی عظمت کا دور تھا۔ انکا کہنا تھا کہ اب صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی قیادت میں ہم مغربی غلبے کے اسی سنہرے دور کو واپس لا رہے ہیں۔ مارکو روبیو کے اس بیان پر کانفرنس حال میں موجود یورپی لیڈروں نے دل کھول کر تالیاں بجائیں تھیں۔

ایران کے خلاف حالیہ جارحیت زوال پزیر امریکی ایمپائر کو متشدد طریقے سے دوبارہ طاقت ور بنانے کی ایک اور بھونڈی کوشش ہے۔ ایسی کوششیں امریکہ پورے جنوبی امریکہ پر قبضے کی صورت بھی کر رہا ہے۔ کیوبا پر قبضے کا منصوبہ بھی انہی کوششوں کا حصہ ہے۔

مغرب میں سب کچھ برا یا غلط نہیں ہے وہاں انفرادی طور پر بے شمار اچھے، نیک دل اور دیانت دار لوگ بھی ہیں لیکن جمہوریت میں پروپیگنڈہ بہت پر اثر ہوتا ہے۔ مغربی معاشرے میں شخصی اور انفرادی آزادیوں کا

چکمہ دے کر لوگوں کے اکٹھے ہونے اور ایک دوسرے سے جڑ کر رہنے کی عادت کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ختم کیا گیا ہے اور لبرل ازم کے نام پر اجتماعی سماجی بندھن، خاندانی اقدار اور سیاسی نظریات مٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان عوامل کی وجہ سے مغربی عوام جلد پروپیگنڈہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مالی عدم تحفظ اور خاندان، محلے اور علاقے جیسے رشتوں اور بندھوں کی عدم موجودگی میں مغربی عوام نفسا نفسی اور خود غرضی کے رویے اپنا لیتے ہیں۔ عوام کی اس لاتعلقی کا فائدہ مغربی حکمران طبقات اٹھاتے ہیں۔

مغربی ذہنی پس ماندگی اور اخلاقی زوال کا اندازہ آپ امریکہ اور اسرائیل کے لیڈروں، دانش وروں، اکیڈمکس اور میڈیا کی سطحی اور کھوکھلی سوچ اور انکے متعصبانہ انداز و بیان سے بھی لگا سکتے ہیں۔ ہمارے لوگ گوری چمڑی اور انگریزی زبان سے متاثر ہو جاتے ہیں ورگرنہ ایک طرف ایران کے انتہائی پڑھے لکھے، دانش ور، مہذب اور متحمل لیڈر ہیں جن میں سے اکثر پی ایچ ڈی اور سیاست، تاریخ اور فلسفے پر عبور رکھتے ہیں، مثلاً حال میں اسرائیلی حملے میں مارے جانے والے علی لرجانی نے جرمن فلاسفر کانٹ پر جرمن زبان میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی، ایسے اہل علم اور تاریخ کا شعور رکھنے والے ایرانی لیڈروں کے مقابلے میں ذرا ڈونلڈ ٹرمپ، پیٹ ہیگسیتھ، مارکو روبیو اور دیگر امریکی لیڈروں کی بازاری اور عامیانہ زبان اور ان کے سفید جھوٹ سنیے، انکے مظالم دیکھیے۔ اسی طرح فرانس کے صدر ہوں یا جرمنی کے، یا پھر برطانوی وزیر اعظم یاہنیٹو اور یورپی یونین کے سربراہان ہر کرسی پر آپکو ذہنی اور اخلاقی طور پر پست بونے اور خود غرض اور منافق بیٹھے نظر آتے ہیں جنکا دعوی ہے کہ وہ سب سے مہذب و برتر ہیں۔

مسلمان ممالک میں مغرب سے بھی گئے گزرے حکمران ہیں۔ خلیجی عرب ممالک کے حکمران اس کی واضح مثال ہیں لہذا امریکہ ایران مذاکرات میں پاکستان کا واسطہ گینگسٹرز سے ہے۔ اگر پاکستان محمد بن سلمان اور امریکی بلیک میلرز کے سامنے ڈٹ گیا تو ایران اور پاکستان روس اور چین کے ساتھ ملکر ایک بہتر، منصفانہ اور متوازن عالمی نظام کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ تاہم یہ میری خواہش اور خوش فہمی ہو سکتی ہے۔ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ صدر ٹرمپ ایران کے خلاف مذید ہولناک حملے شروع کریں گے اور محمد بن سلمان کے ذریعے پاکستان کو بھی آگ میں کودنے پر مجبور کرنے کی کوشش کریں گے۔ دلی خواہش ہے کہ میری یہ دوسری بات غلط ثابت ہو اور ولادمیر پوٹن اور چینی صدر ملکر ٹرمپ کو مزید من مانی سے روک دیں کیونکہ روس اور چین ملکر شاید ایسا کر سکتے ہیں۔

آبنائے ہرمز میں کون غرق ہوگا؟

انور ساجدی

عالمی میڈیا کے مطابق صدر ٹرمپ کو اسرائیل نے اکسایا کہ وہ ایران پر حملہ کرے اور اس کے پیچھے دو عرب ممالک بھی تھے

جنگ ایک تباہی و بربادی ہے اس لئے اس پر خوش ہونا بنتا نہیں ہے ایران کے رہبر سید علی خامنہ ای کی شہادت بھی ایک افسوسناک واقعہ ہے لیکن ایرانی صورتحال کے اس سے ہٹ کر بھی پہلو ہیں جن کا اس خطے کے مستقبل پر گہرے اثرات مرتب ہونے کا امکان ہے۔

امریکی حملوں کے جواب میں ایران جو میزائل داغ رہا ہے وہ عارضی اور وقتی کارروائی ہے کیونکہ جس دن یہ میزائل ختم ہو گئے بازی پلٹ جائے گی۔ آخر ان میزائلوں نے جلد یا بدیر ختم ہو جانا ہے۔ اس کے سوا ایران کے پاس اپنے دفاع کے لئے کوئی موثر بندوبست نہیں ہے امریکی اور اسرائیلی جنگی طیارے دندناتے آتے ہیں اور بمباری کر کے چلے جاتے ہیں۔ ایران ان کو روکنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ہاں انسانی جذبہ قابل قدر حد تک موجود ہے لیکن وہ بھی منقسم ہے۔

ایران نے امام خمینی کے وقت عراق کو اپنے عوام کے جذبہ سے پسپا کر دیا تھا لیکن امریکہ اور اسرائیل عراق نہیں ہیں دونوں پر جنگی خون سوار ہے لیکن ان کے پاس اپنے مفادات کو بچانے کے لئے اور راستہ بھی نہیں ہے۔ امریکہ کو معاشی اور تذویراتی اہداف درکار ہیں جبکہ اسرائیل کو بقا کی ضمانت چاہیے۔ اگر ایران نے جنگ کو طول دیا تو امریکہ کو بے شمار اقدامات کرنا پڑیں گے اسے ایران کے اندر اپنے حامیوں کو اٹھانا ہوگا اور بغاوت کروانی ہوگی، غیر ملکی میڈیا کے مطابق صدر ٹرمپ کی نظر سیدھی ''آربیل'' جا کر کردستان کے صدر مسعود بزرانی پر ٹھہری ہے۔ ایران کے حوالے سے امریکہ نے تعاون طلب کیا ہے تاکہ ایران کے کردوں کو بغاوت پر آمادہ کیا جا سکے۔ اس کے باوجود کہ امریکہ نے کردوں کی مدد سے داعش کو شام اور عراق میں شکست سے دوچار کر دیا تھا، لیکن مطلب نکل جانے کے بعد امریکہ نے حسب معمول بے وفائی کا ارتکاب کیا اور شام کو گولان کی پہاڑیوں سے تعلق رکھنے والے یہودی احمد الشرع اور سابق جولانی کے حوالے کر کے چلتا بنا۔

اس حقیقت کے باوجود عراقی کردوں کے لیڈر مسعود بزرانی نے مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق امریکہ سے تعاون کی حامی بھری ہے۔ کرد دعا مانگ رہے ہیں کہ جنگ طویل ہو جائے تاکہ دیگر ممالک بھی اس میں شریک ہو جائیں وہ جانتے ہیں کہ ایک خونریز اور طویل جنگ کے نتیجے میں ہی ایران تقسیم ہو سکتا ہے اور جب تک یہ بڑا ملک تقسیم نہ ہو جائے تو کردوں سمیت دیگر مقبوضہ اقوام آزادی حاصل نہیں کر سکتیں۔ ابھی تک جو صورتحال ہے وہ حوصلہ افزا نہیں ہے روس اور چین

زبانی کلامی ایران کی حمایت کر رہے ہیں، چین نے ایران کو جو دفاعی نظام دیا تھا وہ ناکام ہو چکا ہے جس کے نتیجے میں امریکہ اور اسرائیل تابڑ توڑ حملے کر رہے ہیں البتہ روس نے دھمکی دی ہے کہ اگر امریکہ باز نہ آیا تو تیسری عالمی جنگ چھڑ سکتی ہے۔

خود روس کا یہ عالم ہے کہ ابھی تک یوکرین کو شکست نہ دے سکا۔ روس اور چین علی الاعلان ایران کی مدد کے لئے بھی میدان میں نہیں آسکتے لیکن روس کو امریکہ اور یورپ سے جان چھڑانے کے لئے کودنا پڑے گا۔ چاہے تیسری عالمی جنگ ہی کیوں نہ شروع ہو جائے۔ ایران کا سب سے موثر ہتھیار آبنائے ہرمز کی بندش ہے کیونکہ اس سے تیل کی سپلائی بند ہوگئی ہے۔ امریکہ اس کے خلیجی اتحادیوں کے لئے یہ تکلیف دہ امر ہے اس سے دنیا کی معیشت بھی تہہ و بالا ہو جائے گی۔ چنانچہ لگتا یہی ہے کہ بلوچ سمندر کے پانیوں میں عہد جدید کا بڑا معرکہ لڑا جائے گا۔ جب ایران فارس تھا تو کراچی سے لے کر بندر عباس تک سارا سمندر بلوچ وطن تھا ہرمزگان کے سارے علاقے میں بلوچ آباد تھے اور یہ سارے کا سارا علاقہ مغربی بلوچستان تھا۔

سابق نام نہاد شاہ ایران رضا شاہ کے والد نے اس علاقے پر جبری قبضہ کر لیا جبکہ انگریز جنرل ڈائر نے ایک بہت بڑا علاقہ ریاست قلات سے چھین کر ایران کو تحفے میں دیا اس وقت سے اب تک بلوچ ایک بدترین غلامی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ سابق شاہ نے کچھ مداوا کیا تھا لیکن اسلامی حکمرانوں نے کھلی نسل کشی کا ارتکاب کیا وہاں پر روز بے گناہوں کی لاش کرینوں پر لٹکی نظر آرہی ہیں۔ بدقسمتی سے ایران کے رہبر اعلیٰ علی خامنہ ای کے دور میں مظالم میں بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا۔ اگر ایران نے دیریا مزاحمت کی تو امریکہ کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوگا کہ وہ ایران کی اقلیتی عوام کو منظم کرے اور انہیں بربریت اور نسل کشی سے نجات دلانے کے لئے ان کی ہر طرح کی مدد کرے۔

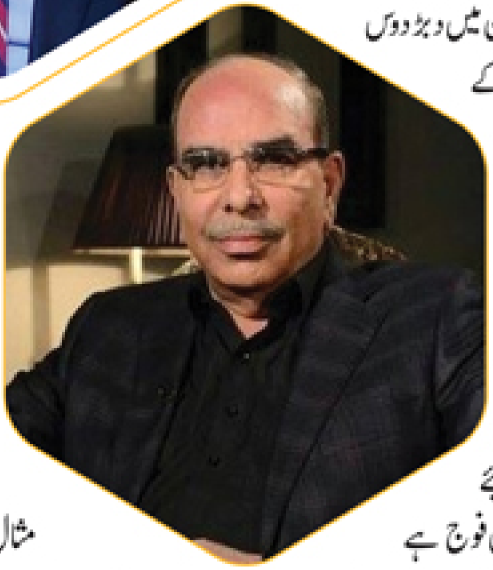

جو خلیجی شیوخ اور موروثی آمر حکمران ہیں ان کے حق میں بھی یہی بہتر ہوگا کہ ان کی سلامتی کو درپیش سب سے بڑے چیلنج کو بروقت ختم کیا جا سکے ورنہ یہی ریاستیں اور امارتیں ریت کے گھروندے ثابت ہوں گے جیسے کہ حالیہ ایرانی حملوں نے ان ریاستوں کی چمک دمک اور جعلی خوشحالی کو محض تین دن میں دبڑ دوس کر دیا ہے۔ ایران کے بے مہار ریجنل سپر پاور بننے کے بعد ان شیوخ کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا جنہوں نے اپنے قدرتی وسائل بلاوجہ ضائع کر دیئے ہیں نہ ان کے پاس فوج ہے اور نہ اسلحہ بس وہ سونے سے بنے جہازوں میں بیٹھ کر ملک ملک گھوم رہے ہیں اور عیاشی کر رہے ہیں۔ اگرچہ امریکہ ایک استعماری اور استحصالی قوت ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ لیبیا، عراق اور کویت کے عوام کو اس نے آزادی دلائی ہے۔ اگر مقبور اور غلاموں کو کوئی شیطان بھی نجات دلائے تو وہ ان کے لئے نجات دہندہ کہلائے گا۔

کرد جانتے ہیں کہ جب تک خطے میں غیر معمولی الات پیدا نہیں ہوں گے ان کی نجات کا کوئی امکان نہیں ہے کوئی بھی غیر معمولی تبدیلی بہت ہی بڑے واقعات اور سانحات کے بعد ہی وقوع پذیر ہوتی ہے اگر 1945 کو جاپان پرل ہاربر پر حملہ نہ کرتا تو امریکہ کو ایٹم بم گرانے کا موقع نہ ملتا اور نہ ہی ساری دنیا امریکی بالادستی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوتی۔ صدر ٹرمپ نے اشاروں اور کنایوں میں کہا ہے کہ اگر ایرانی رجیم باز نہ آئی تو وہ تاریخ کے بدترین اور ہولناک اسلحہ استعمال کریں گے گو کہ ایک بار پھر ایٹمی ہتھیاروں کا استعمال ممکن نہیں پھر بھی اس خطرے کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

مثال کے طور پر اگر ایران طیارہ بردار جہازوں ابراہام لنکن اور جیرالڈ فورڈ کو غرق کردے تو 10 ہزار امریکیوں کا بدلہ ہولناک طریقے سے لیا جائے گا۔ امریکہ نے ورلڈ ٹاور پر حملہ کے بعد افغانستان کو تاراج کر دیا تھا وہ ایران کے خلاف زیادہ طاقت استعمال کرے گا کیونکہ ایران کا محل وقوع زیادہ اہم اور نازک ہے۔ خدا نہ کرے کہ اس خطے میں ایٹمی ہتھیاروں کا استعمال ہو لیکن امریکی بچونگڑا اسرائیل مسلسل زور لگا رہا ہے کہ امریکہ ایران کو نیست و نابود کر دے۔ اسرائیل جانتا ہے کہ سارے عرب حکمران ناکارہ اور خواجہ سرا بن چکے ہیں اور در پردہ اس سے ملے ہوئے ہیں اس لئے اس کی سلامتی کو ان سے کوئی خطرہ نہیں، واحد خطرہ ایران ہے جس

کے کروز اور بیلسٹک میزائل اسرائیل کے اندر تباہی مچارہے ہیں۔ اسے خدشہ ہے کہ اگر ایران نے ایٹمی ہتھیار بنالئے تو وہ اپنے میزائلوں کے ذریعے انہیں اسرائیل پر فائر کردے گا۔ اگر یہ گر گئے تو بھی تباہی آئے گی اگر راستے میں ضائع ہوگئے تو بھی لاکھوں کروڑوں انسان مارے جائیں گے۔

عالمی میڈیا کے مطابق صدر ٹرمپ کو اسرائیل نے اکسایا کہ وہ ایران پر حملہ کرے اور اس کے پیچھے دو عرب ممالک بھی زور دے رہے تھے۔ فی الحال یہ عرب ممالک خود تباہی کی زد میں ہیں دبئی کا سونے سے بنا ہوٹل برج العرب ایرانی حملوں کی زد میں آیا ہے جبکہ برج الخلیفہ بال بال بچ گیا ہے۔ ان حملوں کے بعد دبئی کو اٹھنے میں کئی برس لگیں گے وہاں سیاحت اور سرمایہ کاری دوبارہ شروع ہونا کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ وقت کا ماتم ہے کہ ملک ریاض سمیت پاکستانی سیاست دانوں اور حاکمان اعلیٰ کے اربوں ڈالر دبئی میں غرق ہوگئے ہیں ملک ریاض تو پاکستان سے بھاگ کر پراجیکٹ شروع کرنے دبئی گئے تھے ابھی اونٹ پر سوار ہی ہوئے تھے کہ انہیں سانپ نے کاٹ لیا۔ ان کے لئے اچھا ہوگا کہ حکمرانوں سے معافی تلافی کرکے واپس پاکستان آکر کام شروع کریں وہ قدم بوسی کا گر شہباز شریف سے حاصل کرسکتے ہیں۔

جہاں تک پاکستانی عوام کا تعلق ہے تو ان کو ایران پر امریکی حملوں سے کوئی تشویش نہیں ہے گلگت بلتستان اسلام آباد اور کراچی میں جو مظاہرے ہوئے وہ غیر معمولی واقعات نہیں ہیں باقی سب کچھ نارمل ہے البتہ حکمرانوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ خلیج میں جنم لینے والے بحران سے کیسے نبرد آزما ہوسکتے ہیں۔ خواجہ آصف نے ایک گہری مگر ذومعنی بات کہی ہے کہ بعض عناصر اسرائیلی اثرات کو پاکستان کی سرحد تک لانا چاہتے ہیں انہوں نے وضاحت نہیں کی کہ یہ اثرات کیسے یہاں آسکتے ہیں۔ کیا ایران کے حصے بخرے ہونے کے نتیجے میں خوزستان اور کردستان اسرائیل کے ہاتھ لگیں گے یا کوئی اور معاملہ ہے۔ اسی طرح پاکستانی حکمرانوں کو افغانستان پر حملے بند کرکے گفت وشنید کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ ملک کے اعلیٰ حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ خلیج کی صورتحال اور بھارتی عزائم پر نظر رکھیں۔ باقی یہ جو افغانستان وغیرہ ہیں یہ وزیر داخلہ کے ایس ایچ او کی مار سے زیادہ نہیں ہیں۔ اسرائیل کہیں خواجہ صاحب کا ہمسایہ نہ ہو جائے کم بخت مودی تو یہی شیطانی کررہا ہے وہ اس وقت امریکہ کے بعد روئے زمین پر اسرائیل کا واحد دوست ہے۔

ساجد نور

بلوچستان حکومت کا متنازعہ بل اور سسکتی کتابیں

بلوچستان میں کتابوں پر پابندی کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ عمل ایک تسلسل کے ساتھ ہوتا آرہا ہے

ہر سال 21 فروری کو دنیا بھر میں مادری زبانوں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس دن کو منانے کا مقصد دنیا بھر میں بولی جانے والی مادری زبانوں کے تحفظ کو یقینی بنانا ہے تاکہ بچے اپنی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم حاصل کر سکیں اور ان میں خود اعتمادی پیدا ہو۔ لیکن کبھی آپ نے سوچا ہے کہ یہ دن کب سے منایا جانے لگا؟ یہ دن بنگلہ دیش میں 1952ء میں شروع ہونے والی "زبان کی تحریک" سے جڑا ہے جب بنگلہ دیش (سابقہ مشرقی پاکستان) میں طلبہ نے بنگالی زبان کو سرکاری زبان بنانے کے لیے احتجاج کیا اور وہ احتجاج ایک تحریک بن گیا۔ اس احتجاج کے دوران کئی طالب علم شہید ہوئے لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور آج بنگالی بنگلہ دیش کی سرکاری زبان بن چکی ہے۔ یونیسکو نے 17 نومبر 1999ء کو اپنی جنرل کانفرنس میں عالمی یوم مادری زبان کو باضابطہ طور پر منظور کیا اور 21 فروری کو اسے عالمی دن کے طور پر منانے کا اعلان کر دیا۔ سال 2000ء سے اسے یوم مادری زبان کے طور پر منایا جا رہا ہے اور اقوام متحدہ نے 2008ء میں اسے تسلیم کیا۔

وزیر اعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی نے 21 فروری 2026ء کو یوم مادری زبان کے موقع پر ایک پیغام جاری کیا اور کہا کہ بلوچی، پشتو، براہوی اور ہزارگی زبانیں صوبہ بلوچستان کی فکری وسعت اور ثقافتی گہرائی کی عکاسی کرتی ہیں اور حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس لسانی سرمائے کی حفاظت کرے۔ ایک طرف تو وزیر اعلیٰ بلوچستان مادری زبانوں کے تحفظ کے لیے پیغام جاری کر رہے تھے تو دوسری جانب یہ خبر سامنے آئی کہ حکومت بلوچستان "بلوچستان ریجنل لینگوئجز، اکیڈمیز اینڈ لٹریری سوسائٹیز بل 2025" کے نام سے صوبہ بھر کے ادبی اور تحقیقاتی اداروں کو اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے اور بلوچستان حکومت کی طرف سے تیار کردہ ایک قانون "بلوچستان ریجنل لینگوئجز، اکیڈمیز اینڈ لٹریری سوسائٹیز بل 2025" جسے اسکول ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ بلوچستان نے ترتیب دیا ہے صوبائی کابینہ کے سامنے پیش کیا گیا اور صوبائی کابینہ نے اسے باقاعدہ منظور کر لیا ہے۔

بلوچستان حکومت کی جانب سے دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ اس قانون کا مقصد صوبے کی علاقائی زبانوں (بلوچی، پشتو، براہوی اور ہزارگی) کی ترویج کے لیے جو اکیڈمیاں اور ادبی تنظیمیں موجود ہیں ان کے انتظامی اور مالی ڈھانچے کو منظم کرنا ہے۔ اس بل کے تحت ایک بورڈ آف ڈائریکٹرز قائم کیا جائے گا جو ان اکیڈمیوں کے انتظامی اور مالی امور کی نگرانی کرے گا اور بورڈ کا سربراہ صوبائی وزیر تعلیم ہوگا، جبکہ دیگر ارکان میں بلوچستان کے بیوروکریٹس شامل ہوں گے۔

بلوچستان حکومت کا موقف یہ ہے کہ یہ قانون شفافیت لانے اور نگرانی بہتر بنانے کے لیے ہے نہ کہ اکیڈمیوں اور ادبی تنظیموں کو کنٹرول کرنے کے لیے۔ واضح رہے کہ بلوچستان کی تمام ادبی اکیڈمیاں اور ادبی تنظیمیں "سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ 1860" کے تحت رجسٹرڈ اور خود مختار ادارے ہیں جہاں تنظیمی امور کو بہتر بنانے کے لیے ہر سال انتخابات کرائے جاتے ہیں، چیئرمین اور صدر منتخب کیے جاتے ہیں جو مادری زبان کی ترویج کے لیے رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

'بلوچی اکیڈمی' جو بلوچستان کا سب سے بڑا علمی، ادبی اور تحقیقاتی ادارہ ہے، ہر سال چالیس کے قریب ادبی، علمی اور تحقیقاتی کتابیں شائع کر کے انہیں مفت بلوچستان بھر کی یونیورسٹیوں، کالجوں، اسکولوں اور لائبریریوں کو ارسال کرتی

ہے۔ بلوچی اکیڈمی کا قیام 25 جون 1958ء کو مستونگ میں ایک ''بلوچی دیوان'' کے موقع پر عمل میں آیا۔ مستونگ میں منعقدہ اس بلوچ عوامی اجتماع میں بلوچی زبان کے تمام ادیب، دانشور اور مترجم شامل تھے، جنھوں نے بلوچی زبان کی ترویج، اشاعت اور اسے اسکولوں میں پڑھانے کے لیے پختہ ارادہ کیا۔ بلوچی کے نامور ماہر لسانیات حاجی عبدالقیوم بلوچ بلوچی اکیڈمی کے پہلے کنوینر منتخب ہوئے۔ حاجی عبدالقیوم بلوچ کا تعلق پنجگور سے تھا۔

بتایا جاتا ہے کہ وہ ژوب میں بطور اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ بھی رہے ہیں انہیں زبان پر کافی عبور حاصل تھا، ان کی کتاب ''بلوچی بومیا'' بلوچی زبان کے حوالے سے ہے۔ پنجگور کے علاقے سراوان میں ان کے نام سے ایک لائبریری بھی قائم ہے۔ بلوچی اکیڈمی کو ایک مستحکم ادارہ بنانے میں حاجی عبدالقیوم بلوچ کا کلیدی کردار رہا ہے۔ 25 جون 1958ء کو مستونگ میں بلوچی دیوان کا انعقاد، بنگلہ دیش میں بنگلہ زبان کو سرکاری زبان بنانے کے لیے شروع کی گئی زبان کی تحریک کے عین تین سال بعد ہوا ایک لحاظ سے یہ بلوچی دیوان، بنگلہ دیش کی زبان تحریک سے متاثر ہو کر شروع کیا گیا تھا، جس میں بنگالی طلبہ کی جانب سے شروع کی گئی تحریک میں بہت سے طالب علم شہید ہوئے تھے۔

بلوچ دانشور اور مفکر ڈاکٹر سلیم کرد کے مطابق 1958ء میں مستونگ دیوان کے بعد بلوچستان کے بلوچ گلوکاروں پر مشتمل ایک ثقافتی وفد تشکیل دیا گیا جس نے مستونگ اور کوئٹہ میں دیوان منعقد کیے لیکن ملک میں مارشل لا لگ گیا اور میر عبدالعزیز کے گھر پر چھاپہ مارا گیا۔ بلوچ مفکرین گرفتار ہوئے، جرگے میں مقدمہ چلا اور بلوچ رہنماؤں کو تین تین سال کی سزا دے کر مچھ جیل بھیج دیا گیا۔ ایک لحاظ سے یہ بلوچی زبان کی ترویج پر مارشل لا حکومت کی جانب سے پہلا حملہ تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ موجودہ صوبائی حکومت کو ''بلوچستان ریجنل لینگویجز، اکیڈمیز اینڈ لٹریری سوسائٹیز بل 2025'' بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا پس منظر کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ بس ایک حکومت ہے جو نہ تو صاف چھپ پاتی ہے اور نہ ہی سامنے آ پاتی ہے۔ بلوچستان میں کتابوں پر پابندی کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ عمل ایک تسلسل کے ساتھ ہوتا آ رہا ہے۔ اس کی باقاعدہ شروعات بلوچ قوم پرست رہنما ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ کے دور اقتدار میں ہوئی، جب بلوچستان بھر کے بک اسٹالوں پر بلوچی زبان کی کتابوں پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔

کوئٹہ، خضدار اور تربت میں بک اسٹالوں پر چھاپے مارے گئے اور 2016ء میں ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ کے آبائی شہر تربت میں ''پاک نیوز ایجنسی'' پر چھاپہ مارا گیا اور بلوچی کتابیں ضبط کی گئیں، لوگ گرفتار ہوئے۔ اگرچہ بعد میں ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ نے ادبی حلقوں کو فنڈز دیے، شاعروں اور فنکاروں کو مالی امداد فراہم کی، لیکن اب بھی جب بلوچستان میں بلوچی کتابوں پر پابندی کی بات ہوتی ہے تو بلوچستان کے ادبی حلقوں کو ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ کی حکومت یاد آتی ہے۔

2025ء میں تربت کیچ میں سرکار کی جانب سے منعقدہ ''کیچ کلچرل فیسٹیول'' میں 60 لاکھ روپے کی کتابیں فروخت ہونے کی خبر سامنے آئی تھی، جبکہ عطا شاد فیسٹیول میں 35 لاکھ روپے کی کتابیں فروخت ہوئیں۔ گوادر میں ہر سال جو کتاب میلہ لگتا ہے 2025ء کے کتاب میلے میں 28 لاکھ روپے کی کتابیں فروخت ہوئیں، جن میں 10 لاکھ روپے کی صرف بلوچی کتابیں فروخت ہوئیں۔ یعنی مکران کے ہر گھر میں دس کتابیں ضرور ہوں گی۔

اور یہ تمام کتابیں اکیڈمیوں اور ادبی تنظیموں کی جانب سے شائع کردہ تھیں۔ کتابوں سے دوستی کا رجحان قابل ستائش ہے، لیکن مقتدرہ کی سوچ شاید یہ ہے کہ بلوچستان میں جاری شورش کے پیچھے یہی کتابی سوچ ہے جو امن وامان کی راہ میں رکاوٹ ہے لہٰذا اکیڈمیوں اور ادبی تنظیموں کو کنٹرول کیا جائے اور آئندہ کیا شائع کرنا ہے اور کیا نہیں، یہ فیصلہ اب صوبائی وزیر تعلیم اور وہ کمیٹی کرے گی جو بیوروکریٹک ہے۔ دوسری جانب بلوچستان کے ادبی اور تعلیمی حلقے مذکورہ بل کی مذمت کر رہے ہیں۔

بلوچستان کے ادبی و لسانی اداروں (اکیڈمیوں) کے عہدیداروں پر مشتمل ایک وفد نے چیف آف سراوان نواب اسلم خان رئیسانی اور نوابزادہ لشکری رئیسانی سے ملاقات کی۔ وفد نے اس ملاقات میں بلوچستان کابینہ کی جانب سے بلوچستان ریجنل لینگویجز، اکیڈمیز اینڈ لٹریری سوسائٹیز بل 2025 کے بارے میں آگاہی دی اور اسے بلوچستان کی ادبی اداروں کو حکومتی تحویل میں لینے کا ایک غیر قانونی اقدام قرار دیا۔ وفد نے نواب اسلم رئیسانی سے درخواست کی کہ اسمبلی میں اس بل کے خلاف آواز بلند کی جائے اور اسے ایکٹ کی شکل میں نافذ کرنے سے گریز کیا جائے۔ ادبی اداروں کے وفد میں چیئرمین بلوچی اکیڈمی ہیبتان عمر، چیئرمین براہوئی اکیڈمی پروفیسر ڈاکٹر سوسن براہوئی، ہزارگی اکیڈمی کے چیئرمین احمد علی بیگ اور پشتو اکیڈمی کے جنرل سیکریٹری نقیب اللہ احساس شامل تھے۔

زبان وادب کی اہمیت اور اس پر سرکاری پابندی کے بارے میں نواب اسلم رئیسانی نے کہا کہ ملک کا آئین ہر شہری کو اپنی زبان وثقافت کو زندہ کرنے اور اس کے لیے جدوجہد کرنے کا حق دیتا ہے۔ بلوچستان کے بڑے ادبی ادارے کئی سالوں سے خود مختار حیثیت سے زبان وادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ نواب اسلم خان رئیسانی نے کہا کہ ان خود مختار اداروں کو محکمہ تعلیم یا محکمہ ثقافت کے زیر انتظام لانے کا مقصد ان کی افادیت اور سرگرمیوں پر قدغن لگانا ہے جس کے خلاف اسمبلی کے اندر اور باہر بھرپور مخالفت کی جائے گی۔ حکومت ایسے اقدام سے گریز کرے جس سے قوموں کی شناخت کو خطرات لاحق ہوں۔

نواب لشکری رئیسانی نے وفد کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ مڈل کلاس حکومت نے سماجی، معاشی اور سیاسی شعبوں میں تباہی پھیلانے کے سوا ابھی تک کچھ نہیں کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ مڈل کلاس حکومت بلوچستان میں بسنے والی اقوام کی شناخت کے سب سے بڑے معمار یعنی زبان، ادب اور ثقافت پر کاری ضرب لگانے کا ارادہ رکھتی ہے، جو بلوچستان کے سماجی حالات اور اقوام کے درمیان چپقلشیں پیدا ہونے کا باعث بنیں گے۔

یہ بل 26 جنوری کو پیش کیا گیا اور 23 فروری کو کابینہ نے اس کی منظوری دے دی اب بس اسمبلی سے پاس کرانا باقی رہ گیا ہے۔ اسمبلی میں بل کی مخالفت میں کوئی بولے نہ بولے لیکن ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ اور حق دو تحریک بلوچستان کے رہنما مولانا ہدایت الرحمان بلوچ کو ضرور بولنا چاہیے۔ یہ بل اگر پاس ہوا تو بلوچستان کی مادری زبانیں اور ادبی ورثہ سسکتی کتابوں کی مانند دب سکتا ہے۔

آبنائے ہرمز میں خلل اور پاکستان کی معیشت: ایک خاموش مگر سنگین خطرہ

کیا پاکستان اپنی توانائی اور اقتصادی خودمختاری کی طرف سنجیدہ قدم اٹھانے کے لیے تیار ہے؟

وژنری رپورٹ

پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف ڈیولپمنٹ اکنامکس (PIDE) کی جانب سے شائع ہونے والی ایک اہم تحقیق نے پاکستان کی معیشت کے ایک ایسے پہلو کو اجاگر کیا ہے جس پر عمومی طور پر کم توجہ دی جاتی ہے، مگر اس کے اثرات نہایت گہرے اور دور رس ہو سکتے ہیں۔ اس تحقیق کے مطابق اگر آبنائے ہرمز میں کسی بھی قسم کا خلل پیدا ہوتا ہے، تو پاکستان کی معیشت شدید دباؤ کا شکار ہو سکتی ہے، اور اس کے اثرات توانائی، تجارت، مہنگائی اور صنعتی پیداوار تک پھیل سکتے ہیں۔

آبنائے ہرمز: عالمی معیشت کی شہ رگ

آبنائے ہرمز دنیا کی اہم ترین سمندری گزرگاہوں میں سے ایک ہے، جہاں سے روزانہ تقریباً 20 فیصد عالمی تیل کی ترسیل ہوتی ہے۔ خلیجی ممالک، خصوصاً سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت اور عراق سے نکلنے والا خام تیل اسی راستے سے عالمی منڈیوں تک پہنچتا ہے۔ PIDE کی تحقیق کے مطابق پاکستان اپنی توانائی کی ضروریات کا بڑا حصہ انہی خلیجی ممالک سے درآمد کرتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آبنائے ہرمز میں کسی بھی رکاوٹ کا براہ راست اثر پاکستان کی توانائی سپلائی پر پڑے گا۔

توانائی بحران کا خطرہ

تحقیق میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر آبنائے ہرمز میں کشیدگی یا جنگی صورتحال پیدا ہوتی ہے، تو تیل اور گیس کی عالمی قیمتوں میں فوری اور شدید اضافہ ہو سکتا ہے۔ پاکستان، جو پہلے ہی توانائی کے بحران اور درآمدی بل کے دباؤ کا شکار ہے، اس صورتحال میں مزید مشکلات کا سامنا کرے گا۔ تیل کی قیمتوں میں اضافے سے بجلی کی پیداوار مہنگی ہو جائے گی، پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں بڑھیں گی، ٹرانسپورٹ اور لاجسٹکس کے اخراجات میں اضافہ ہوگا اور یہ تمام عوامل مہنگائی کی نئی لہر کو جنم دیں گے، جو عام شہری کے لیے زندگی مزید مشکل بنا دے گی۔

تجارتی خسارہ اور زرمبادلہ پر دباؤ

PIDE کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کا درآمدی بل پہلے ہی برآمدات سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر تیل کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے، تو درآمدی بل میں نمایاں اضافہ ہوگا، جس کے نتیجے میں تجارتی خسارہ بڑھے گا، زرمبادلہ کے ذخائر تیزی سے کم ہوں گے، روپے کی قدر پر دباؤ بڑھے گا اور یہ صورتحال معاشی استحکام کے لیے ایک بڑا خطرہ بن سکتی ہے، خصوصاً ایسے وقت میں جب پاکستان پہلے ہی مالیاتی بحرانوں

سے گزر رہا ہے۔

صنعتی پیداوار اور روزگار پر اثرات

تحقیق میں اس بات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے کہ توانائی کی قلت اور مہنگی بجلی صنعتی شعبے کو بری طرح متاثر کرے گی۔ پاکستان کی ٹیکسٹائل، سیمنٹ اور دیگر بڑی صنعتیں توانائی پر انحصار کرتی ہیں۔

توانائی کی لاگت بڑھنے سے صنعتوں کی پیداوار کم ہو سکتی ہے، برآمدات متاثر ہوں گی اور بیروزگاری میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ یوں ایک جغرافیائی بحران براہ راست سماجی اور معاشی بحران میں تبدیل ہوسکتا ہے۔

جیو پولیٹیکل تناظر اور خطرات

آبنائے ہرمز میں خلل کا خطرہ صرف اقتصادی نہیں بلکہ جیو پولیٹیکل بھی ہے۔ مشرق وسطیٰ میں بڑھتی ہوئی کشیدگی، خصوصاً ایران اور مغربی طاقتوں کے درمیان تنازعات، اس اہم گزرگاہ کو غیر مستحکم بنا سکتے ہیں۔

PIDE کی تحقیق خبردار کرتی ہے کہ پاکستان جیسے ممالک، جو توانائی کے لیے بیرونی ذرائع پر انحصار کرتے ہیں، ان عالمی تنازعات کے سب سے زیادہ متاثرہ فریق بن سکتے ہیں، حالانکہ وہ ان تنازعات کا براہ راست حصہ نہیں ہوتے۔

متبادل حکمت عملی: وقت کی ضرورت

تحقیق میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ پاکستان کو فوری طور پر اپنی توانائی اور اقتصادی پالیسیوں پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ اس حوالے دی گئی چند اہم تجاویز میں توانائی کے متبادل ذرائع (شمسی، ہوا، پن بجلی) کی طرف تیز رفتار منتقلی، مقامی وسائل کو بروئے کار لانا، تیل پر انحصار کم کرنا، اسٹریٹجک آئل ریزروز قائم کرنا اور علاقائی تجارت اور توانائی کے نئے راستوں کی تلاش شامل ہیں۔

ایک وارننگ جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا

پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف ڈیولپمنٹ اکنامکس کی یہ تحقیق دراصل ایک وارننگ ہے ایک ایسی وارننگ ہے جو ہمیں یہ احساس دلاتی ہے کہ پاکستان کی معیشت کس قدر عالمی جغرافیائی سیاست کے رحم وکرم پر ہے۔

آبنائے ہرمز میں ممکنہ خلل کوئی دور کا خطرہ نہیں، بلکہ ایک حقیقت ہے یہ خطرہ جنم لے چکا ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ پاکستان محض ردعمل دینے کے بجائے پیشگی حکمت عملی اپنائے، تاکہ ایک ممکنہ عالمی بحران کو قومی تباہی میں تبدیل ہونے سے روکا جا سکے۔ یہ تحقیق ہمیں ایک بنیادی سوال پر سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ کیا پاکستان اپنی توانائی اور اقتصادی خودمختاری کی طرف سنجیدہ قدم اٹھانے کے لیے تیار ہے؟

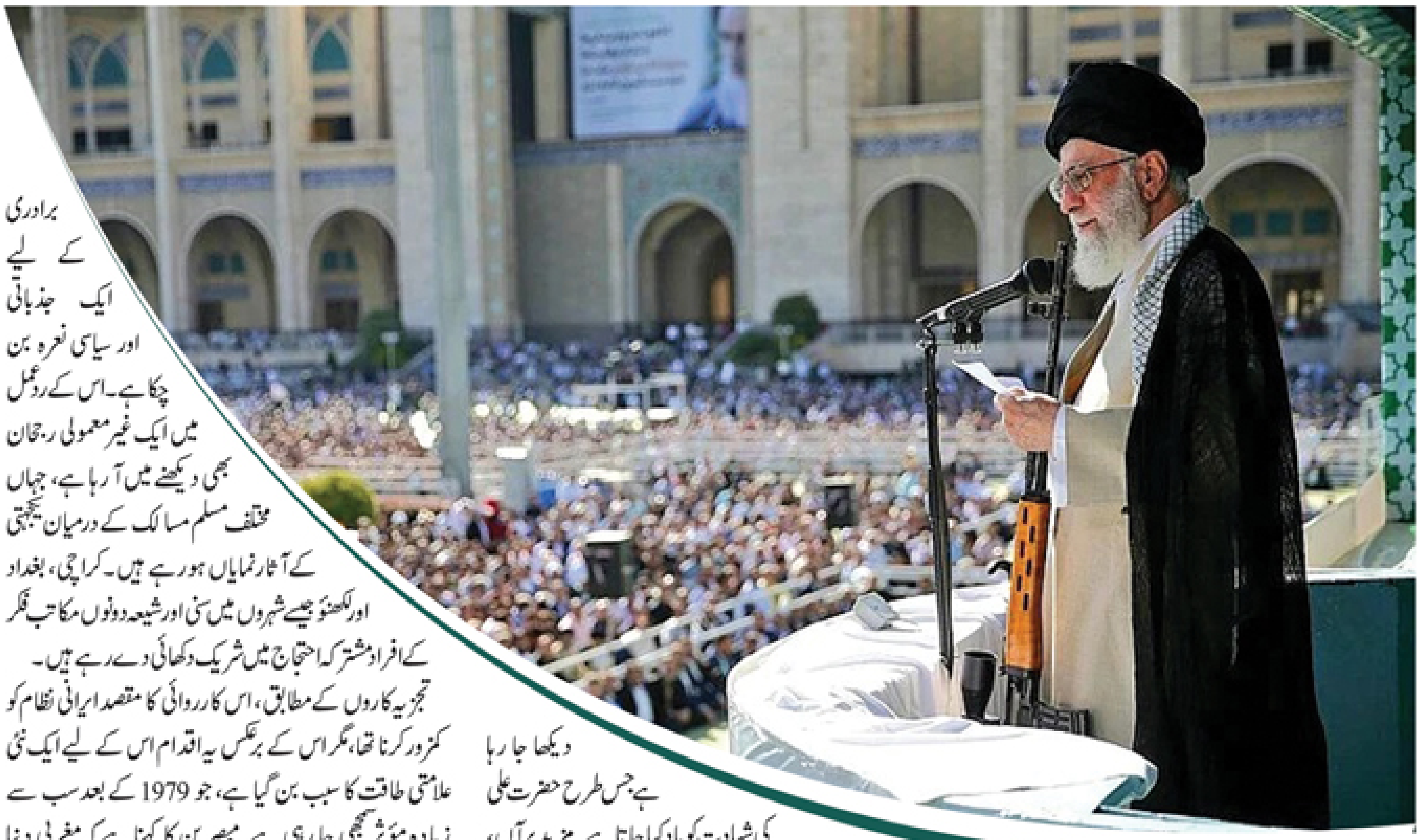

آیت اللہ خامنہ ای کا قتل جدید امریکی تاریخ کی سب سے بڑی اسٹریٹجک غلطی

مغربی دنیا اسے ایک وقتی کامیابی سمجھ رہی ہے، تاہم اس کے طویل المدتی اثرات کہیں زیادہ پیچیدہ اور غیر متوقع ہو سکتے ہیں

فاطمہ بھٹو

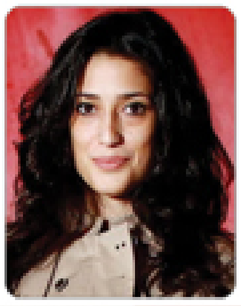

آیت اللہ خامنہ ای کی ہلاکت محض ایک سیاسی رہنما کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک ایسے واقعے کے طور پر دیکھی جا رہی ہے جس نے صدیوں پرانی مذہبی علامتوں اور بیانیوں کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔ اس اقدام نے ایک ایسے "شہید" کو جنم دیا ہے جس کے اثرات مغربی دنیا کو دہائیوں تک متاثر کر سکتے ہیں۔

علامتی اعتبار سے یہ واقعہ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ ایران کی تاریخ میں اس سے پہلے کوئی سپریم لیڈر شہید نہیں ہوا۔ آیت اللہ خمینی طبعی موت کے ذریعے دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ ایسے میں اسلامی جمہوریہ ایران کے موجودہ رہنما کا امریکہ یا اسرائیل کے ہاتھوں قتل ایک سیاسی عہدے کو ایک مقدس اور دائمی مقصد میں تبدیل کر دیا ہے۔ وقت کا انتخاب بھی غیر معمولی حساسیت کا حامل ہے۔ یہ واقعہ ماہِ رمضان میں پیش آیا، جو اسلامی تاریخ میں خاص روحانی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی مہینے میں حضرت علی، جو شیعہ اسلام میں عدل و انصاف کی علامت سمجھے جاتے ہیں، کو شہید کیا گیا تھا۔

بہت سے افراد کے نزدیک یہ محض ایک فوجی کارروائی نہیں بلکہ ایک مذہبی و تاریخی مماثلت ہے۔ ان کی ہلاکت کو اسی تناظر میں دیکھا جا رہا ہے، جس طرح حضرت علی کی شہادت کو یاد کیا جاتا ہے۔ مزید برآں، خاندان کے ہمراہ قتل کیے جانے کا پہلو بھی شیعہ تاریخی شعور میں گہری معنویت رکھتا ہے، جو کربلا کے واقعے اور امام حسین کی شہادت کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اس تناظر میں "مظلوم" اور "ظالم" کا بیانیہ مزید شدت اختیار کر گیا ہے۔

یہ واقعہ صرف ایران تک محدود نہیں رہا بلکہ عالمی سطح پر شیعہ برادری کے لیے ایک جذباتی اور سیاسی نعرہ بن چکا ہے۔ اس کے ردعمل میں ایک غیر معمولی رجحان بھی دیکھنے میں آ رہا ہے، جہاں مختلف مسلم مسالک کے درمیان یکجہتی کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ کراچی، بغداد اور لکھنؤ جیسے شہروں میں سنی اور شیعہ دونوں مکاتب فکر کے افراد مشترکہ احتجاج میں شریک دکھائی دے رہے ہیں۔

تجزیہ کاروں کے مطابق، اس کارروائی کا مقصد ایرانی نظام کو کمزور کرنا تھا، مگر اس کے برعکس یہ اقدام اس کے لیے ایک نئی علامتی طاقت کا سبب بن گیا ہے، جو 1979 کے بعد سب سے زیادہ مؤثر سمجھی جا رہی ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ مغربی دنیا اسے ایک وقتی کامیابی سمجھ رہی ہے، تاہم اس کے طویل المدتی اثرات کہیں زیادہ پیچیدہ اور غیر متوقع ہو سکتے ہیں۔ یہ واقعہ ایک نئے اور ممکنہ طور پر زیادہ خطرناک دور کے آغاز کے طور پر دیکھا جا رہا ہے، جس کے اثرات عالمی سیاست اور سلامتی پر گہرے نقوش چھوڑ سکتے ہیں۔

بلوچ مقدمہ: اصولی جدوجہد یا اسٹیبلشمنٹ سے قربت

سیاست میں چند اصول بنیادی ہوتے ہیں، خوف سے آزادی اور لالچ سے پاک ہونا

گہرام اسلم بلوچ

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ سیاسی رہنماؤں کو اپنی سیاسی وراثت کے دفاع کے لیے بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات جان کا نذرانہ بھی دینا پڑتا ہے۔ مگر سیاسی جدوجہد کی اس راہ میں دو چیزیں ہمیشہ فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں: ایک لالچ اور دوسرا خوف۔ ایک حقیقی لیڈر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان دونوں سے بالاتر ہو، لالچ سے پاک اور جرات و بہادری کا حامل ہو۔ بدقسمتی سے بلوچستان میں ماضی کے مقابلے میں آج ان دونوں کا بحران زیادہ گہرا نظر آتا ہے۔ موجودہ قیادت میں نہ صرف خوف موجود ہے بلکہ لالچ بھی واضح طور پر دکھائی دیتا ہے، اور خوف و لالچ کی بھی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔

بلوچستان کی قوم پرست سیاسی جماعتیں آج جھوٹی امیدوں اور وقتی مراعات پر مطمئن ہو کر بلوچ مقدمے کی جدوجہد، سول سپرمیسی اور جمہوریت کی بحالی جیسے بنیادی اصولی موقف سے تیزی کے ساتھ دستبردار ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ آج سے ایک دہائی پہلے بلوچستان میں سیاسی جماعتوں کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی اور ان کی قیادت کو سنجیدگی سے سنا جاتا تھا۔ مگر اسٹیبلشمنٹ کی شاطرانہ پالیسیوں اور قوم پرست قیادت کی کمزور نیت اور وقتی ایڈجسٹمنٹ نے بلوچستان کی سیاسی و جمہوری تحریک کو صرف کمزور ہی نہیں بلکہ تقریباً بے اثر کردیا۔

اگر ماضی پر نظر ڈالی جائے تو آج کی طاقتور نظر آنے والی اسٹیبلشمنٹ اس وقت نسبتاً کمزور پوزیشن میں تھی جبکہ قوم پرست جماعتیں مضبوط سیاسی مقام رکھتی تھیں۔ بلوچستان کے کسی بھی مسئلے، چاہے وہ مسنگ پرسنز کا ہو یا وسائل کا، پر مقتدر قوتیں ان جماعتوں کی سیاسی حکمت عملی سے پریشان رہتی تھیں۔ مگر نہ جانے وہ کون سی وجوہات تھیں کہ بلوچستان کی یہی سیاسی جماعتیں اتنی جلدی مصلحت پسندی کا شکار ہو کر اپنی نصف صدی پر محیط سیاسی و جمہوری وراثت کو قربان کر بیٹھیں۔

اتنی طویل جدوجہد اور سیاسی تحریک کو محض چند افراد کو اقتدار یا طاقت کے کوریڈور تک پہنچانے کے لیے قربان کرنا اس دھرتی اور اس نسل کے ساتھ ناانصافی ہے۔ یہ وہ نسل ہے جو اس کم قیمت سودے کو کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ ایک طرف بلوچستان لہولہان ہے اور نسل کشی جیسے الزامات زیر بحث ہیں، جبکہ دوسری جانب بلوچستان کا مقدمہ ایوانوں میں لڑنے والے رہنما اسے اپنے ذاتی مفادات کی نذر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تاریخ کے اوراق میں یہ طرز عمل ایک سیاہ باب کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ قوم پرست جماعتوں کی نصف صدی پر محیط سیاسی تاریخ کو نہ صرف فارم 47 کی پیدا کردہ حکومتوں نے نقصان پہنچایا بلکہ خود ان جماعتوں نے بھی اسے کمزور کرنے میں کردار ادا کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ اسٹیبلشمنٹ کی سیاست میں مداخلت کے خلاف ایک مضبوط تحریک چلاتے، وہ اسی اسٹیبلشمنٹ کے پیدا کردہ سیاسی سیٹ اپ میں (مائیکرو فرینڈلی اپوزیشن) سے بھی کم کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔

حالانکہ بلوچستان کی جمہوری سیاست کی بنیاد انہی جماعتوں کی جدوجہد پر قائم ہے، مگر آج وہی وراثت زوال کا شکار ہو چکی ہے۔ ماضی میں یہی جماعتیں مزاحمتی تحریکوں کو کاؤنٹر کرنے کے لیے بھی اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ قدم بہ قدم چلتی دکھائی دیتی رہی ہیں۔ فوجی عدالتوں سے لے کر منرل ایکٹ تک اکثر معاملات میں ان کی مخالفت صرف رسمی یا دوستانہ اختلاف تک محدود رہی، جبکہ بنیادی فیصلوں میں وہ کبھی بھی اسٹیبلشمنٹ کے خلاف کھل کر جانے سے گریزاں رہے۔

اسٹیبلشمنٹ سے قربت بڑھانے اور سیاسی مواقع حاصل کرنے کے لیے بہت کچھ کیا گیا۔ مسنگ پرسنز کے مسئلے سے عملاً دستبرداری اختیار کر لی گئی، سیاسی و عوامی جدوجہد کو اسٹیبلشمنٹ کی کھینچی ہوئی لکیر تک محدود کر دیا گیا، بدبختی سے ہمارے رہنما بھی اسی لکیر کے گرد مطمئن ہیں، حالانکہ اظہار رائے انتہائی محدود ہے۔ بلوچ یکجہتی کمیٹی (BYC) کے حوالے سے جو موقف مقتدر حلقوں اور سرفراز بگٹی کی حکومت کا ہے، نجی محفلوں میں وہی موقف بعض قوم پرست رہنما بھی نا صرف یہی موقف دہراتے نظر آتے ہیں بلکہ اس کی تائید بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ بنیادی حقوق سے متعلق متنازعہ قانون سازی پر بھی ان کی مخالفت صرف رسمی اور دوستانہ

اپوزیشن تک محدود رہی۔ عام شہریوں کے گھروں کو اس الزام پر مسمار کرنا کہ وہاں سرمچار موجود ہیں، جبکہ اکثر کوئی ثبوت سامنے نہیں آتا، اس پر بھی خاموشی اختیار کی گئی۔ اس خاموشی کو حکومت کی پالیسیوں کی تائید سمجھا جاتا ہے، اور خود سرفراز بگٹی بھی کئی مواقع پر اس جانب اشارہ کر چکے ہیں۔ اگر ہم اسی طرح نرمی برتتے رہے تو وہ دن دور نہیں کہ ان کی بغیر کارتوس کی بندوقوں کا رخ تائید کرنے والوں پہ ہو، جیسا کہ ماضی میں ہوتا رہا ہے۔ نصف صدی کی سیاسی جدوجہد کرنے والے قوم پرست رہنماؤں کا سرفراز کی پالیسیوں کے ساتھ شانہ بشانہ ہونا ایک المیہ ہے۔

یہ وہی جماعتیں ہیں جن کی بقا اور مضبوطی کے لیے بے شمار سیاسی کارکنوں نے اپنی جوانیاں صرف کیں، اپنی زندگیاں اس جدوجہد کے نام کیں۔ مگر آج وہی جماعتیں اسٹیبلشمنٹ کی بلوچ کش پالیسیوں پر خاموش تماشائی بنی ہوئی ہیں۔ اب ہر باشعور بلوچ نوجوان یہ سمجھ چکا ہے کہ یہ قیادت بلوچ مقدمہ لڑنے کی سکت نہیں رکھتی، بلکہ زیادہ تر اپنے مفادات کے تحفظ میں مصروف ہیں۔ عوام کے لیے ان کے پاس دینے کو بہت کم رہ گیا ہے، مگر وہ اپنے ”ایکو چیمبرز“ میں بیٹھ کر اب بھی یہی سننا پسند کرتے ہیں کہ عوام ان کے ساتھ ہیں، جبکہ زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔

ایک وقت تھا جب اسٹیبلشمنٹ کو خدشہ ہوتا تھا کہ اگر ان جماعتوں کے مینڈیٹ کو شکست میں بدلا گیا تو شدید ردعمل سامنے آئے گا۔ مگر 2018 اور پھر 2024 کے انتخابات میں جب ان کے بچی کھچی عوامی حمایت کو بھی شکست میں بدل دیا گیا تو قیادت کی جانب سے کوئی موثر ردعمل سامنے نہیں آیا۔ اس کے برعکس ہر رہنما اپنی نشست بچانے کے لیے الگ الگ بات چیت میں مصروف دکھائی دیا۔ اس صورتحال نے مقتدر حلقوں کو یہ احساس دلایا کہ شاید وہ ان سے بلاوجہ خوفزدہ رہے۔ حالانکہ 2024 کے انتخابی نتائج کے حوالے سے عوام میں اسٹیبلشمنٹ کے خلاف شدید غم وغصہ موجود تھا، مگر جب قیادت ہی مصلحت پسندی کا راستہ اختیار کر لے تو عوام کے ردعمل کی سمت بھی بے اثر ہو جاتی ہے۔ بلوچستان کی سیاست میں ایک بڑی بدقسمتی یہ رہی ہے کہ ہم اکثر فوری فائدوں، وقتی مراعات اور خوف کے زیرِ اثر بڑے سیاسی مقاصد کو قربان کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حالیہ مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ 2024 کے دھاندلی زدہ انتخابات کے خلاف جن سیاسی قوتوں نے ثابت قدمی کے ساتھ اپنا کیس لڑا، نہ خوف کا شکار ہوئے اور نہ کسی یقین دہانی یا دباؤ کے آگے جھکے، انہوں نے مستقل مزاجی سے سیاسی اور عدالتی جدوجہد جاری رکھی۔ انہوں نے نہ میدان چھوڑا اور نہ کوئی سمجھوتہ کیا۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہی قوتیں، جن کا مینڈیٹ کبھی دوسروں کو منتقل کر دیا گیا تھا، عدالتی فیصلوں کے ذریعے اپنی نشستیں واپس حاصل کر رہی ہیں۔ اگر بلوچستان کی سیاسی قیادت بھی اسی صبر، استقامت اور اصولی سیاست کا راستہ اختیار کرتی، اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ سیاسی اور آئینی جدوجہد جاری رکھتی اور جلد بازی میں سمجھوتے نہ کرتی، تو ممکن تھا کہ آج ان کا مینڈیٹ بھی واپس ملتا۔ سیاست میں چند اصول بنیادی ہوتے ہیں، خوف سے آزادی اور لالچ سے پاک ہونا۔ یہی دو اوصاف کسی رہنما کو وقتی سیاستدان سے نکال کر ایک معتبر اور تاریخی رہنما بناتے ہیں۔

فقیر الیاس ایاز الدین

ایک نئی اقوامِ متحدہ

ضروری ہے کہ ادارے کی خود مختاری اور غیر جانبداری کو ہر قسم کے دباؤ سے محفوظ رکھا جائے

اقوام متحدہ کو اس قابل بنایا جانا چاہیے کہ وہ ایسے قوانین تشکیل دے سکے جو زیادہ مؤثر اور بامعنی فیصلوں کا باعث بنیں۔ اس ضمن میں پہلا قدم ویٹو پاور کا خاتمہ ہونا چاہیے، جو موجودہ شکل میں امریکہ اور اس کے اتحادی حلقوں کی جانب سے غلط استعمال ہو رہی ہے۔ سلامتی کونسل کے مستقل اراکین کو حاصل یہ اختیار کسی بھی قرارداد کو روک سکتا ہے، جس کے باعث عالمی فیصلوں پر طاقتور ممالک کا غلبہ برقرار رہتا ہے۔

یہ اصلاح اس لیے ضروری ہے کیونکہ ویٹو کے ذریعے طاقتور لابیاں عالمی انصاف کے عمل کو متاثر کرتی ہیں۔ اگر اس اختیار کو ختم کر دیا جائے تو کوئی بھی ملک، خصوصاً امریکہ، عالمی نظام میں اپنی برتری کو بطور دباؤ استعمال نہیں کر سکے گا، اور دنیا ایک ایسے دور میں داخل ہو سکتی ہے جہاں تمام ممالک مساوی حیثیت رکھتے ہوں۔

طاقت کی یہ برابری اس امر کو ممکن بنائے گی کہ نسل کشی جیسے سنگین جرائم پر بلا امتیاز کارروائی کی جا سکے، اور انصاف کے اطلاق میں دوہرا معیار ختم ہو۔ اسی طرح، وہ ممالک جو امریکہ یا اس کے اتحادیوں کی جانب سے عائد کردہ پابندیوں کا شکار رہے ہیں، ان کے خلاف ایسے اقدامات کا فوری خاتمہ ہونا چاہیے۔ کسی بھی ملک کو یہ اختیار حاصل نہیں ہونا چاہیے کہ وہ دوسرے ملک کی قیادت کے خلاف یکطرفہ کارروائیاں کرے، جیسا کہ بعض مثالوں میں دیکھا گیا۔

اقوامِ متحدہ کے چارٹر کو ازسرِ نو تشکیل دینا ناگزیر ہے تاکہ ایسے تمام تضادات اور غیر متوازن اختیارات کا خاتمہ کیا جا سکے۔ اگر عالمی نظام کو حقیقی معنوں میں منصفانہ بنانا ہے تو کسی بھی ملک کو غیر معمولی برتری حاصل نہیں ہونی چاہیے۔ اقوامِ متحدہ کے قواعد و ضوابط کو مزید سخت بنانے کی ضرورت ہے تاکہ کسی بھی طاقتور بلاک کو غیر متناسب اختیار حاصل نہ ہو۔ یہ ادارہ اپنی بنیادی ساخت کے اعتبار سے مؤثر ہے، مگر بعض قوتوں نے اسے اپنے مفادات کے لیے استعمال کیا، جس کے نتیجے میں عدم مساوات اور ناانصافی کو فروغ ملا۔

دنیا کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ایسے ہی عدم توازن عالمی ناانصافیوں اور طاقت کے ناجائز استعمال کا سبب بنتے ہیں، جہاں طاقتور ممالک کمزور ریاستوں پر غالب آ جاتے ہیں۔ موجودہ شکل میں اقوامِ متحدہ ان خامیوں کے ساتھ مؤثر انداز میں کام جاری نہیں رکھ سکتی۔ یہ صورتحال بعض ممالک، خصوصاً امریکہ اور اس کے اتحادیوں جیسے اسرائیل، کو غیر معمولی طاقت فراہم کرتی ہے، جس سے عالمی نظم و نسق متاثر ہوتا ہے۔

یہ رویہ اقوامِ متحدہ کے بنیادی چارٹر اور اس کی سالمیت کے منافی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ادارے کی خود مختاری اور غیر جانبداری کو ہر قسم کے دباؤ سے محفوظ رکھا جائے۔ اس مقصد کے لیے ایک سخت ضابطہ اخلاق نافذ کیا جانا چاہیے، جس کے تحت خلاف ورزی کرنے والے ممالک کے خلاف لازمی کارروائی، حتیٰ کہ رکنیت کی معطلی یا خاتمہ بھی ممکن ہو۔ درست سزاؤں کے نفاذ کے ذریعے نظام کو مؤثر بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے نئی اقوامِ متحدہ بنانے کی ضرورت نہیں، بلکہ موجودہ ادارے میں اصلاحات کے ذریعے ان خامیوں کو دور کرنا زیادہ مؤثر راستہ ہوگا۔

نواز شریف کے نام کھلا خط

محترم میاں نواز شریف صاحب

السلام علیکم

اُمید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

ایک زمانہ تھا جب آپ کا نعرہ ووٹ کو عزت دو پورے ملک میں گونجتا تھا سیاسی کارکن اس بیانیے کو جمہوریت کی امید سمجھ کر بڑے فخر سے دہراتے تھے۔ مگر نہ جانے وقت کو کیا ہوا کہ حالات بدل گئے بیانیہ بھی کہیں گم ہو گیا اور آپ کی جماعت دوبارہ اقتدار میں آ گئی۔ آپ کے جگری دوست اختر مینگل بھی عوام کے ووٹوں سے کامیاب ہو کر ایوان تک پہنچ گئے تھے۔

لیکن نجانے آپ کی حکومت نے انہیں ایسا کیا شکوہ دیا کہ انہوں نے اپنے ہی حلقے کے ووٹوں کو عزت دینے کے بجائے استعفیٰ کی صورت میں واپس عوام کے منہ پر دے مارا۔ وہ مستعفی ہو کر بیٹھ گئے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ انہیں منانے کی کوئی خاص کوشش بھی نظر نہ آئی۔ طویل انتظار کے بعد بالآخر ان کا استعفیٰ منظور ہو گیا۔

الیکشن کمیشن نے خالی نشست پر ضمنی انتخاب کا اعلان کیا۔ باقی سیاسی لوگوں کی طرح میں نے بھی اس انتخاب میں حصہ لینے کی کوشش کی۔ مگر بدقسمتی سے آپ کی جماعت کی جمہوری حکومت میں مجھے انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت ہی نہ مل سکی۔

میں نے اِسے بھی جمہوریت کا نیا حسن سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی۔ اب آپ سے ایک گزارش ہے کہ آئندہ آنے والی اٹھائیسویں آئینی ترمیم میں بلوچستان کے لیے ایک خصوصی سلیکشن کمیٹی کی منظوری بھی آئین کا حصہ بنوا دیں۔ تاکہ بلوچستان میں انتخابات کروانے کے لیے وفاق کو بار بار زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

یوں وفاق کو بلوچستان سے نمائندے منتخب کرنے میں بھی آسانی ہو جائے گی۔ اور ہم جیسے سیاسی لوگوں کی غلط فہمیاں بھی دور ہو جائیں گی۔ ساتھ ہی وفاق کی بدنامی سے بھی بچاؤ ممکن ہو جائے گا۔

اللہ پاک آپ کی جمہوری بادشاہیت کو پاکستان کے بے شعور عوام پر قائم و دائم رکھے۔

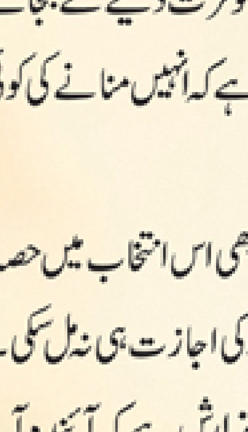

وسلام میر اسرار اللہ زہری

اسلام آباد پائندہ آباد

UAN: +9221 111-947-111
www.gwadargymkhana.com.pk

گوادر انٹرنیشنل
پرائیویٹ ممبرز کلب

دنیا بھر کے 60 سے زائد نامور کلبوں کے ساتھ فخریہ ایفی لی ایٹڈ

گوادر جمخانہ ایک نجی کلب ہے، جو ان خاندانوں اور کاروباری افراد کے لیے بنایا گیا ہے جو پرسکون اور معیاری زندگی کو پسند کرتے ہیں۔ پاکستان کے مستقبل کے اسمارٹ شہر گوادر میں واقع یہ کلب 24 سے زیادہ جدید سہولیات، شاندار رہائش اور دنیا بھر کے 50 سے زائد کلبوں تک رسائی دیتا ہے۔ یہاں کی ممبرشپ محدود اور زندگی بھر کے لیے ہے، جو نہ صرف ایک اعزاز ہے بلکہ آپ کی پہچان اور مستقبل میں ایک بہترین سرمایہ کاری بھی ہے۔

جلد کھل رہا ہے

کنسرن سٹیزن الائنس اور پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کراچی کی جانب سے خاموش احتجاج کی تصویری جھلکیاں

ایل سی سی آئی اور ڈاکٹر عیسیٰ لیبارٹری کے درمیان مفاہمتی یادداشت پر دستخط

وژنری رپورٹ

لاہور چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری (ایل سی سی آئی) اور ڈاکٹر عیسیٰ لیبارٹری اینڈ ڈائیگناسٹک سینٹر کے درمیان مفاہمتی یادداشت پر دستخط کیے گئے، جس کا مقصد لاہور چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے اراکین، عملے اور ان کے اہلِ خانہ کو تشخیصی طبی سہولیات پر خصوصی رعایت فراہم کرنا ہے۔ معاہدے کے تحت ڈاکٹر عیسیٰ لیبارٹری لاہور چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے اراکین اور عملے کو مختلف طبی ٹیسٹوں پر خصوصی رعایت فراہم کرے گی۔ اس سلسلے میں تمام پیتھالوجی ٹیسٹوں پر 50 فیصد، خصوصی ٹیسٹوں پر 25 فیصد جبکہ ریڈیالوجی اسکینز جن میں ایکس رے اور الٹراساؤنڈ شامل ہیں ان پر 20 فیصد رعایت دی جائے گی۔ اس کے علاوہ الائیڈ سروسز جیسے ڈینٹسٹری پر بھی 15 فیصد رعایت فراہم کی جائے گی۔

ایم او یو پر لاہور چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر فہیم الرحمان سیگل اور ڈاکٹر عیسیٰ لیبارٹری کے ہیڈ آف پنجاب و اسلام آباد طارق عالم نے دستخط کیے جبکہ دونوں اداروں کے نمائندے بھی اس موقع پر موجود تھے۔ ایم او یو کے تحت لیبارٹری کی جانب سے مفت ہوم سیمپل کلیکشن کی سہولت بھی فراہم کی جائے گی جبکہ لاہور چیمبر میں میڈیکل کیمپس کا انعقاد بھی کیا جائے گا۔ ان کیمپس میں تشخیصی سہولیات کے ساتھ ساتھ ضرورت کے مطابق مفت طبی مشاورت بھی فراہم کی جائے گی۔

Gymkhana
Residency
GWADAR'S PRIME LIVING
گوادر میں
جلد آ رہا ہے
GYMKHANA RESIDENCY
پری لانچ ریٹس اور معلومات کے لیے ابھی رابطہ کریں
یو اے این: 111-947-111 9221+

ادبی اداروں کی خودمختاری

ڈاکٹر توصیف احمد خان

زبانیں قوموں کی روح ہوتی ہیں، اگر ان کے محافظ اداروں کی آزادی سلب کر لی جائے تو تخلیقی عمل ماند پڑ جاتا ہے

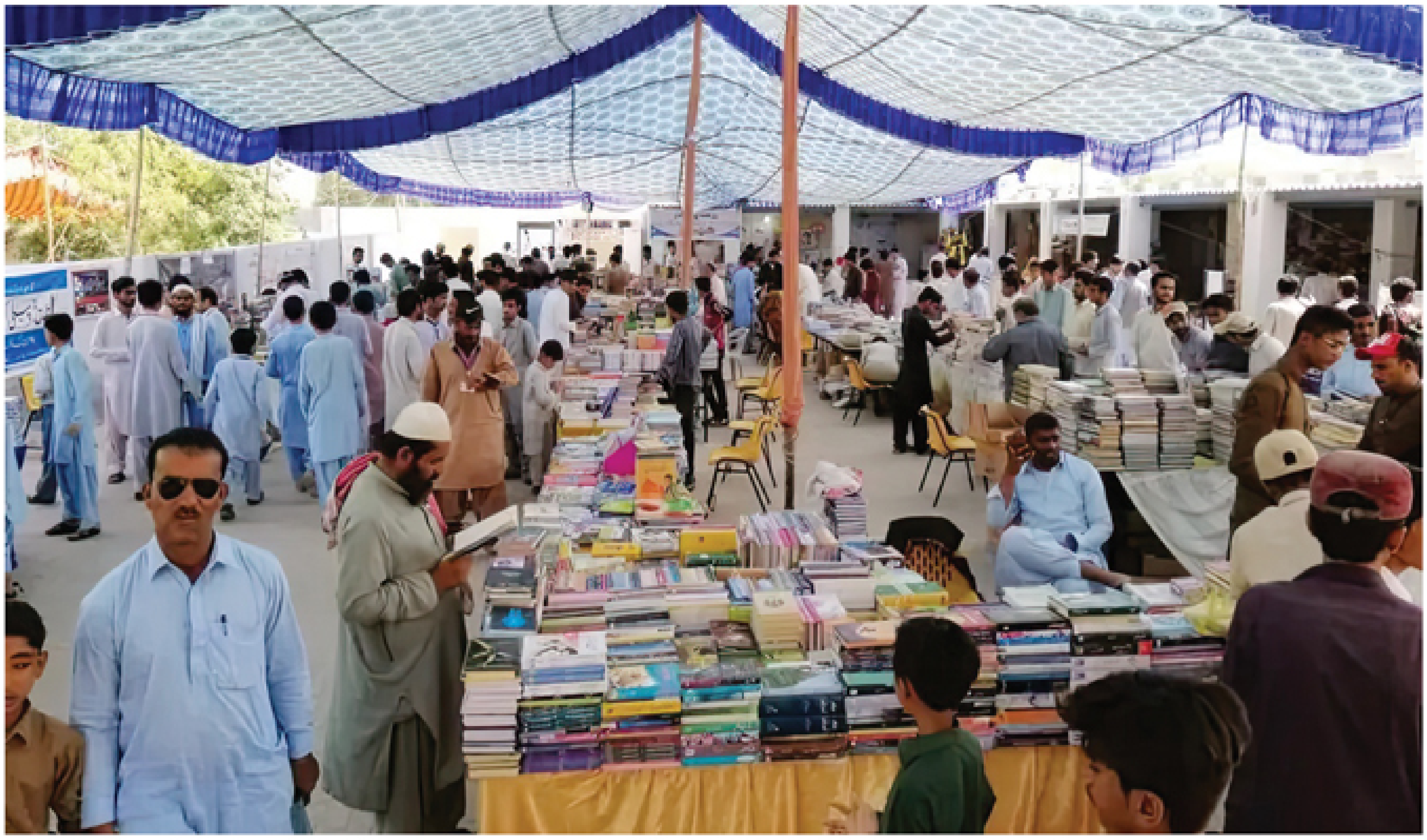

حکومت بلوچستان نے بلوچستان کی چاروں زبانوں بلوچی، پشتو، براہوی اور ہزارگی کی اکیڈمیز کی خودمختاری کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے مجاز اتھارٹی کی ہدایت پر حکومت بلوچستان نے اسکول ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کے بلوچستان کی چار زبانوں کی اکیڈمیز میں اصلاحات کے لیے محکمہ کلچرل ٹوارزم اور آرکائیو کے سیکریٹری کی قیادت میں 21 جولائی 2026ء کو ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی قائم کی۔

اس کمیٹی کی سفارشات کو بلوچستان کی کابینہ نے منظور کیا۔ ان سفارشات کے تحت Balochistan Regional Languages Academies and Literary Society Act 2025 کی منظوری دی گئی۔ اس ایکٹ کے تحت ان اکیڈمیز کی نگرانی کے لیے ایک بورڈ قائم کیا جائے گا۔ اس بورڈ کے سربراہ وزیر تعلیم ہونگے۔ بورڈ کے وائس چیئرمین سیکریٹری اسکول ایجوکیشن ہونگے۔

اس بورڈ کے اراکین میں سیکریٹری ہائر ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ، سیکریٹری فنانس اور سیکریٹری کلچرل ڈپارٹمنٹ شامل ہونگے۔ اس کے علاوہ بلوچستان یونیورسٹی کی زبانوں بلوچی، براہوی، ہزارگی اور پشتو کے ڈپارٹمنٹ کے سربراہ بھی بورڈ کے رکن ہونگے۔ اس بورڈ میں چاروں اکیڈمیز کے چیئرمینز کو بھی شامل کیا گیا۔ اس بورڈ میں ہر زبان کا ایک ایک ماہر بھی شامل ہوگا۔ اب یہ بورڈ ان اکیڈمیز کے انتظامات کے بارے میں تمام فیصلوں کا مجاز ہوگا۔ یوں چاروں زبانوں کی اکیڈمیز کی پہلے والی خودمختاری باقی نہیں رہے گی۔

بلوچستان کی سرزمین صدیوں سے لسانی اور ثقافتی تنوع کی امین رہی ہے۔ یہاں بولی جانے والی زبانیں، بلوچی، پشتو، براہوی، جدگالی اور ہزارہ کمیونٹی کی زبان صرف ابلاغ کا ذریعہ نہیں بلکہ تاریخ، شناخت اور اجتماعی شعور کی علامت ہیں۔ انھی زبانوں کے فروغ اور تحفظ کے لیے قائم ادبی و تحقیقی اداروں نے محدود وسائل کے باوجود گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ایسے میں حکومتِ بلوچستان کی جانب سے پیش کردہ ”بلوچستان ریجنل لینگویجز، اکیڈمیز اینڈ لٹریری سوسائٹیز بل 2025“ نے ادبی حلقوں میں تشویش کی ایک نئی لہر دوڑا دی ہے۔

حال ہی میں کوئٹہ میں بلوچی اکیڈمی کے زیر اہتمام ادبی و لسانی اداروں کا ایک ہنگامی مشترکہ اجلاس منعقد ہوا، جس کی صدارت چیئرمین ہیبتان عمر نے کی۔ اجلاس میں پشتو اکیڈمی، براہوی اکیڈمی اور ہزارگی اکیڈمی سمیت دیگر اداروں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس اجتماع میں متفقہ طور پر اس امر پر شدید تشویش کا اظہار کیا گیا کہ مجوزہ بل ادبی اداروں کی خودمختاری سلب کر کے انھیں محکمہ کلچر اور محکمہ اسکول ایجوکیشن کے زیر انتظام لانے کی کوشش ہے۔ ادبی ادارے صرف سرکاری دفاتر نہیں ہوتے، وہ فکری آزادی اور تخلیقی اظہار کے مراکز ہوتے ہیں۔ ان اداروں کی اصل قوت ان کی خودمختاری میں مضمر ہے، جو انھیں سرکاری دباؤ یا بیوروکریٹک رکاوٹوں سے آزاد رکھتی ہے۔

یہی آزادی انھیں زبانوں کی تحقیق، لغت سازی، نصابی معاونت، کلاسیکی ادب کی اشاعت اور نئی نسل کی تربیت کے لیے فعال بناتی ہے۔ مشترکہ اعلامیے میں کہا گیا کہ مجوزہ بل نہ صرف ادبی اداروں کی آزادانہ حیثیت کو متاثر کرے گا بلکہ 1860 کے سوسائٹی ایکٹ کی روح کے بھی منافی ہے، جس کے تحت یہ ادارے بطور خودمختار تنظیمیں کام کر رہے ہیں۔ چیئرمین پشتو اکیڈمی ڈاکٹر حافظ رحمت نیازی نے نشاندہی کی کہ پاکستان کا آئین ہر قوم کو اپنی ثقافت، زبان اور شناخت کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔

ایسے میں بغیر مشاورت کوئی قانون سازی جمہوری اقدار کے برعکس ہے۔ حکومت کا مؤقف یہ ہوسکتا ہے کہ اداروں کو سرکاری نظم

ونسق میں لا کر مالی اور انتظامی شفافیت بہتر بنائی جائے گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا ماضی کا تجربہ اس دعوے کی تائید کرتا ہے؟ محکمہ ثقافت کے زیر اہتمام بلوچستان آرٹ کونسل کی غیر فعالیت اور تعلیمی شعبے کی موجودہ صورتحال اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ محض سرکاری تحویل مسائل کا حل نہیں۔ براہوی اکیڈمی کی چیئرپرسن پروفیسر ڈاکٹر سوسن براہوی نے بجا طور پر کہا کہ جب محکمہ تعلیم اور ثقافت سالانہ اربوں روپے خرچ کرنے کے باوجود صوبے میں تعلیمی پسماندگی ختم نہ کر سکے تو ادبی اداروں کو سرکاری بورڈ آف گورنرز کے ماتحت کرنا ان کی کارکردگی کو مزید پست کر سکتا ہے۔

بلوچستان میں لاکھوں بچے آج بھی اسکولوں سے باہر ہیں، ایسے میں زبانوں کی ترقی کا بوجھ بھی انھی محکموں پر ڈال دینا ایک سوالیہ نشان ہے۔ بلوچستان میں زبان محض ثقافتی موضوع نہیں بلکہ سیاسی اور سماجی حساسیت بھی رکھتی ہے۔ یہاں کی زبانیں طویل عرصے تک قومی بیانیے میں حاشیے پر رہی ہیں۔ ادبی اداروں نے اسی خلا کو پُر کرنے کے لیے شبانہ روز محنت کی ہے۔

لغات کی تیاری، کلاسیکی شعرا کی تدوین، جدید ادب کی اشاعت اور نوجوان قلمکاروں کی حوصلہ افزائی، یہ سب کام بیوروکریٹک فائلوں کے بجائے فکری جذبے سے ہوتے ہیں۔ بلوچستان مسلسل بحرانوں کا شکار ہے۔ بدامنی کی صورتحال ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ اس وقت سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ بلوچ نوجوانوں اور ریاست کے درمیان فاصلے کم کیے جائیں۔ بلوچ طلبہ اپنے کیریئر کو بنانے کے لیے پنجاب کے تعلیمی اداروں کی طرف بھی آتے ہیں۔ بلوچ طلبہ میں کیریئر بنانے کا رجحان بلوچستان کے مخصوص حالات میں ایک دیے کی روشنی کی طرح ہے۔ ارباب اختیار ان طلبہ کو بہتر سہولتیں فراہم کر کے امید کے اس دیے کو روشنی کے میناروں میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ادبی اداروں میں تخلیقی علم اس وقت پروان چڑھا ہے جب ادارے ریاستی کنٹرول سے آزاد ہوتے ہیں۔

ادبی اداروں کے ریاستی کنٹرول میں آنے کا مطلب تخلیقی صلاحیتوں کا محدود ہونا ہے۔ سابق صدر ایوب خان کے دورِ اقتدار میں رائٹرز گلڈ کا قیام عمل میں آیا مگر جب رائٹرز گلڈ مکمل طور پر سرکاری ہوئی تو اس ادارہ کا کردار ختم ہو گیا۔ اکادمی ادبیات پاکستان اردو اور اردو ڈکشنری بورڈ وغیرہ بیوروکریسی کے کنٹرول میں آنے کے بعد ایسے حقیقی خوف سے دور ہو گئے۔ اس صورتحال میں ضروری ہے کہ بلوچستان کے ادبی اداروں کی خود مختاری کو برقرار رکھا جائے جب کہ وفاقی اور بلوچستان کی حکومت ان اداروں کو مالیاتی امداد فراہم کرتی رہے، اگر ان اداروں کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا تو خدشہ ہے کہ تخلیقی سرگرمیاں روایتی سرکاری طریقہ کار کی نذر ہو جائیں گی۔ فن اور ادب کی دنیا میں حکم نامے نہیں، مکالمہ اور تخلیقیت چلتی ہے۔

سرکاری ڈھانچے میں شامل ہونے کے بعد بجٹ، تقرریوں اور پالیسیوں پر سیاسی اثر و رسوخ کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے، جو ادبی آزادی کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ ادیبوں کے اس مشترکہ اجلاس کے شرکاء کا بنیادی اعتراض یہی تھا کہ بل کی تیاری میں متعلقہ اداروں سے کوئی باضابطہ مشاورت نہیں کی گئی۔ ایک ایسا قانون جو براہ راست ادبی و لسانی تنظیموں کو متاثر کرے، اس کی تشکیل میں انھی اداروں کو شامل نہ کرنا، جمہوری روح کے منافی ہے۔ ادبی حلقوں کا کہنا ہے کہ اگر حکومت واقعی زبانوں کے فروغ میں سنجیدہ ہے تو اسے اداروں کو مضبوط کرنے، مالی معاونت بڑھانے اور تحقیقی منصوبوں کی سرپرستی کرنی چاہیے نہ کہ ان کی انتظامی ساخت بدل کر انھیں سرکاری تحویل میں لے آئے۔ یہ ضروری نہیں کہ حکومت اور ادبی ادارے آمنے سامنے کھڑے ہوں۔

ایک متوازن حل یہ ہو سکتا ہے کہ شفافیت اور احتساب کے لیے مشترکہ مشاورتی بورڈ تشکیل دیا جائے جس میں حکومت کے نمائندوں کے ساتھ ساتھ ادبی شخصیات اور ماہرینِ لسانیات شامل ہوں۔ اس طرح نہ صرف اداروں کی خود مختاری برقرار رہے گی بلکہ حکومتی نگرانی بھی ممکن ہوگی۔ علاوہ ازیں، زبانوں کو نصاب میں مؤثر طور پر شامل کرنا، ڈیجیٹل آرکائیوز بنانا اور نوجوان نسل کو مقامی زبانوں کی تعلیم سے جوڑنا زیادہ سود مند اقدامات ثابت ہو سکتے ہیں۔ زبانوں کی ترقی کا اصل راستہ انتظامی کنٹرول نہیں بلکہ تعلیمی اور سماجی شمولیت ہے۔ اجلاس کے اختتام پر متفقہ قرارداد کے ذریعے حکومتِ بلوچستان سے مطالبہ کیا گیا کہ بلوچستان ریجنل لینگویجز بل 2025 کو واپس لے کر ادبی اداروں سے بامعنی مشاورت کی جائے۔

یہ مطالبہ صرف ادارہ جاتی مفاد کا نہیں بلکہ صوبے کی لسانی شناخت اور ثقافتی بقا کا سوال ہے۔ بلوچستان کی سیاسی اور ادبی امور کے ماہر اور کئی کتابوں کے مصنف عزیز سنگھور کے مطابق زبانیں قوموں کی روح ہوتی ہیں، اگر ان کے محافظ اداروں کی آزادی سلب کر لی جائے تو تخلیقی عمل ماند پڑ جاتا ہے۔

حکومت کو چاہیے کہ وہ اس حساس معاملے کو سیاسی عجلت کے بجائے فکری سنجیدگی سے دیکھے۔ بلوچستان کی لسانی وراثت ایک مشترکہ اثاثہ ہے، اسے مضبوط کرنے کا راستہ شراکت اور اعتماد سے ہو کر گزرتا ہے، نہ کہ سرکاری تحویل کے یک طرفہ فیصلوں سے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ قانون سازی سے پہلے مکالمہ ہو، اختلاف کو سنا جائے، اور ایسے حل تلاش کیے جائیں جو زبانوں کی ترقی و ترویج کے لیے واقعی معاون ثابت ہوں۔ ورنہ خدشہ یہی ہے کہ ایک اچھے مقصد کے نام پر اٹھایا گیا قدم لسانی و ادبی زوال کا پیش خیمہ بن جائے۔

وژنری رپورٹ

بلوچستان کی خواتین کولاحق صحت کے خطرات

ایک نظر انداز شدہ بحران

وقت آگیا ہے کہ خواتین کی صحت کو ترجیح دی جائے اور انہیں ایک محفوظ اور صحت مند زندگی فراہم کی جائے

بلوچستان کی خواتین صحت کے حوالے سے شدید اور پیچیدہ مسائل کا سامنا کر رہی ہیں، جو نہ صرف ان کی ذاتی زندگی بلکہ پورے معاشرے کی ترقی پر منفی اثرات ڈال رہے ہیں۔ صوبے کی جغرافیائی وسعت، پسماندگی، سماجی روایات اور ناکافی طبی سہولیات نے خواتین کی صحت کو ایک مستقل خطرے میں ڈال رکھا ہے۔

سب سے بڑا مسئلہ زچہ و بچہ کی صحت سے متعلق ہے۔ بلوچستان میں دورانِ حمل اور زچگی کے دوران خواتین کو مناسب طبی سہولیات میسر نہیں ہوتیں۔ دیہی علاقوں میں لیڈی ڈاکٹرز اور تربیت یافتہ دائیوں کی شدید کمی ہے، جس کے باعث اکثر زچگیاں گھروں پر غیر محفوظ حالات میں ہوتی ہیں۔ نتیجتاً، ماں اور نومولود دونوں کی جان کو خطرات لاحق رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بلوچستان میں شرحِ اموات زچگی (Maternal Moratality Rate) ملک کے دیگر حصوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

غذائی قلت بھی خواتین کی صحت پر گہرے اثرات مرتب کر رہی ہے۔ بہت سی خواتین مناسب خوراک سے محروم رہتی ہیں، جس کی ایک بڑی وجہ غربت اور معاشرتی رویے ہیں، جہاں اکثر مردوں اور

بچوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ آئرن، کیلشیم اور دیگر ضروری غذائی اجزا کی کمی کے باعث خواتین خون کی کمی (انیمیا) اور کمزوری کا شکار ہو جاتی ہیں، جو حمل کے دوران مزید پیچیدگیوں کو جنم دیتی ہے۔

صاف پانی اور حفظانِ صحت کی سہولیات کی کمی بھی خواتین کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ آلودہ پانی کے استعمال سے مختلف بیماریاں، جیسے ہیپاٹائٹس اور معدے کے امراض عام ہیں۔ دیہی علاقوں میں بیت الخلا کی عدم دستیابی خواتین کو غیر محفوظ اور غیر صحت مند حالات میں زندگی گزارنے پر مجبور کرتی ہے، جس کے نتیجے میں انفیکشنز اور دیگر بیماریوں کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

ماحولیاتی عوامل بھی خواتین کی صحت کو متاثر کر رہے ہیں۔ خشک سالی، گرد و غبار اور بڑھتی ہوئی گرمی کی شدت نے سانس کی بیماریوں میں اضافہ کیا ہے۔ خواتین، جو زیادہ تر گھریلو کاموں اور ایندھن کے لیے لکڑی جلانے میں مصروف رہتی ہیں، دھوئیں کے مضر اثرات کا زیادہ شکار ہوتی ہیں، جس سے ان میں سانس اور پھیپھڑوں کی بیماریاں بڑھ رہی ہیں صحت سے متعلق آگاہی کی کمی بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔

بہت سی خواتین بنیادی صحت کے اصولوں، خاندانی منصوبہ بندی، اور بیماریوں سے بچاؤ کے طریقوں سے ناواقف ہیں۔ اس کے علاوہ، سماجی رکاوٹیں اور روایتی سوچ انہیں طبی مراکز تک جانے سے بھی روکتی ہیں، جس کے باعث بیماریوں کی بروقت تشخیص اور علاج ممکن نہیں ہو پاتا۔

نفسیاتی صحت کا پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ گھریلو دباؤ، غربت، کم عمری کی شادیاں اور محدود سماجی آزادی خواتین کی ذہنی صحت پر منفی اثر ڈالتی ہیں۔ ڈپریشن اور اضطراب جیسے مسائل عام ہیں، مگر ان کے علاج کے لیے نہ تو سہولیات موجود ہیں اور نہ ہی معاشرتی قبولیت۔

ان تمام چیلنجز کے حل کے لیے مربوط اور جامع حکمتِ عملی کی ضرورت ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ خواتین کے لیے صحت کی سہولیات میں اضافہ کرے، خاص طور پر دیہی علاقوں میں لیڈی ہیلتھ ورکرز کی تعداد بڑھائی جائے۔ غذائیت، صاف پانی اور تعلیم کے شعبوں میں سرمایہ کاری بھی ناگزیر ہے۔ ساتھ ہی، سماجی رویوں میں تبدیلی اور خواتین کو بااختیار بنانا اس مسئلے کے دیرپا حل کے لیے ضروری ہے۔

آخرکار، بلوچستان کی خواتین کی صحت کا مسئلہ صرف طبی نہیں بلکہ سماجی اور معاشی بھی ہے۔ اگر ہم نے اس بحران کو سنجیدگی سے حل نہ کیا تو یہ نہ صرف خواتین بلکہ آنے والی نسلوں کے مستقبل کو بھی متاثر کرے گا۔ وقت آگیا ہے کہ خواتین کی صحت کو ترجیح دی جائے اور انہیں ایک محفوظ اور صحت مند زندگی فراہم کی جائے۔

سلیمان ہاشم (گوادر)

پاکستان کی معاشی ترقی اور سی پیک (CPEC) کے خوابوں کی تعبیر جس شاہراہ سے وابستہ ہے، وہ آج خود اپنی زبوں حالی پر

کوسٹل ہائی وے معیشت کی شہ رگ یا "خونی شاہراہ"؟

سی پیک کی ابتدا گوادر ہے لیکن سی پیک کے اثرات یہاں نظروں سے غائب کیوں؟

آنسو بہا رہی ہے۔ مکران کوسٹل ہائی وے (N-10)، جسے کبھی سیاحت اور تجارت کا گیٹ وے کہا جاتا تھا، اب انتظامی غفلت، ناقص منصوبہ بندی اور بڑھتے ہوئے حادثات کے باعث مسافروں کے لیے ایک 'خونی جال' بن چکی ہے۔

ماضی کا ڈھانچہ، حال کا بوجھ بن چکا ہے

کوسٹل ہائی وے کی تعمیر کا آغاز 2002 میں ہوا تھا۔ اس وقت کی منصوبہ بندی اس دور کے محدود ٹریفک کے تناسب کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئی تھی۔ لیکن آج دو دہائیاں گزرنے کے بعد منظرنامہ مکمل بدل چکا ہے۔ گوادر بندرگاہ کی فعالی اور تجارتی سرگرمیاں اگرچہ محدود ہیں لیکن ایران سے بارڈر ٹریڈ سے گیس، ڈامبر سیمنٹ سریا سے بھری , 2 22 ویلر گاڑیاں اور اناڑی ڈرائیوروں کی وجہ سے یہاں ٹریفک کا بوجھ کئی گنا بڑھ گیا ہے، مگر سڑک کی گنجائش وہی پرانی اور 'ٹیڑھی میڑھی' ہے۔ پنجاب، خیبر پختونخوا اور سندھ میں ایکسپریس ویز اور جدید موٹرویز کا جال بچھ چکا ہے، مگر افسوس کہ بلوچستان میں آج بھی عوام اسی بوسیدہ ڈھانچے پر سفر کرنے پر مجبور ہیں جس میں توسیع کا نام ونشان نہیں۔

بزی ٹاپ کیوں حادثات کا مسکن بن چکا ہے؟

کوسٹل ہائی وے پر 'بزی کنڈگ' (بزی ٹاپ) کا مقام، جہاں 'امید کی شہزادی' (Princess of Hope) کا خوبصورت پہاڑی سلسلہ سیاحوں کو دعوتِ نظارہ دیتا ہے، وہیں یہ مقام اب خوف کی علامت بن گیا ہے۔ حال ہی میں ایرانی ڈامبر (Bitumen) سے بھرا ہوا ایک 22 ویلر ٹرک سڑک کے عین وسط میں الٹ گیا۔ اس حادثے نے نہ صرف شاہراہ کو مکمل بلاک کر دیا بلکہ بہتے ہوئے ڈیزل اور ڈامبر نے پوری سڑک کو ایک خطرناک پھسلن میں بدل دیا، جہاں پیدل چلنا بھی محال تھا۔

امدادی نظام کی عدم دستیابی: ایک المیہ

اس حادثے کے دوران ریاست کی بے حسی عروج پر تھی۔ سینکڑوں کلومیٹر پر محیط اس اہم شاہراہ پر ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے کوئی "ہیوی مشینری" موجود نہیں۔ اورماڑہ یا کسی قریبی شہر سے کوئی کرین یا بلڈوزر وقت پر نہیں پہنچ سکتا ہے۔ جس کے نتیجے میں مسافروں کو اپنی مدد آپ کے تحت کچے راستے بنانے پڑتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اربوں روپے کا ریونیو دینے والی اس سڑک پر ایک ہنگامی ریسکیو سسٹم کیوں موجود نہیں؟

خونی تصادم اور قیمتی جانوں کا زیاں روز کا معمول بن چکا ہے

حادثات کا یہ سلسلہ صرف ٹریفک جام تک محدود نہیں۔ حال ہی میں ایران سے آنے والے گیس بوزر کے الٹنے اور ٹریفک کے دباؤ کی وجہ سے اورماڑہ

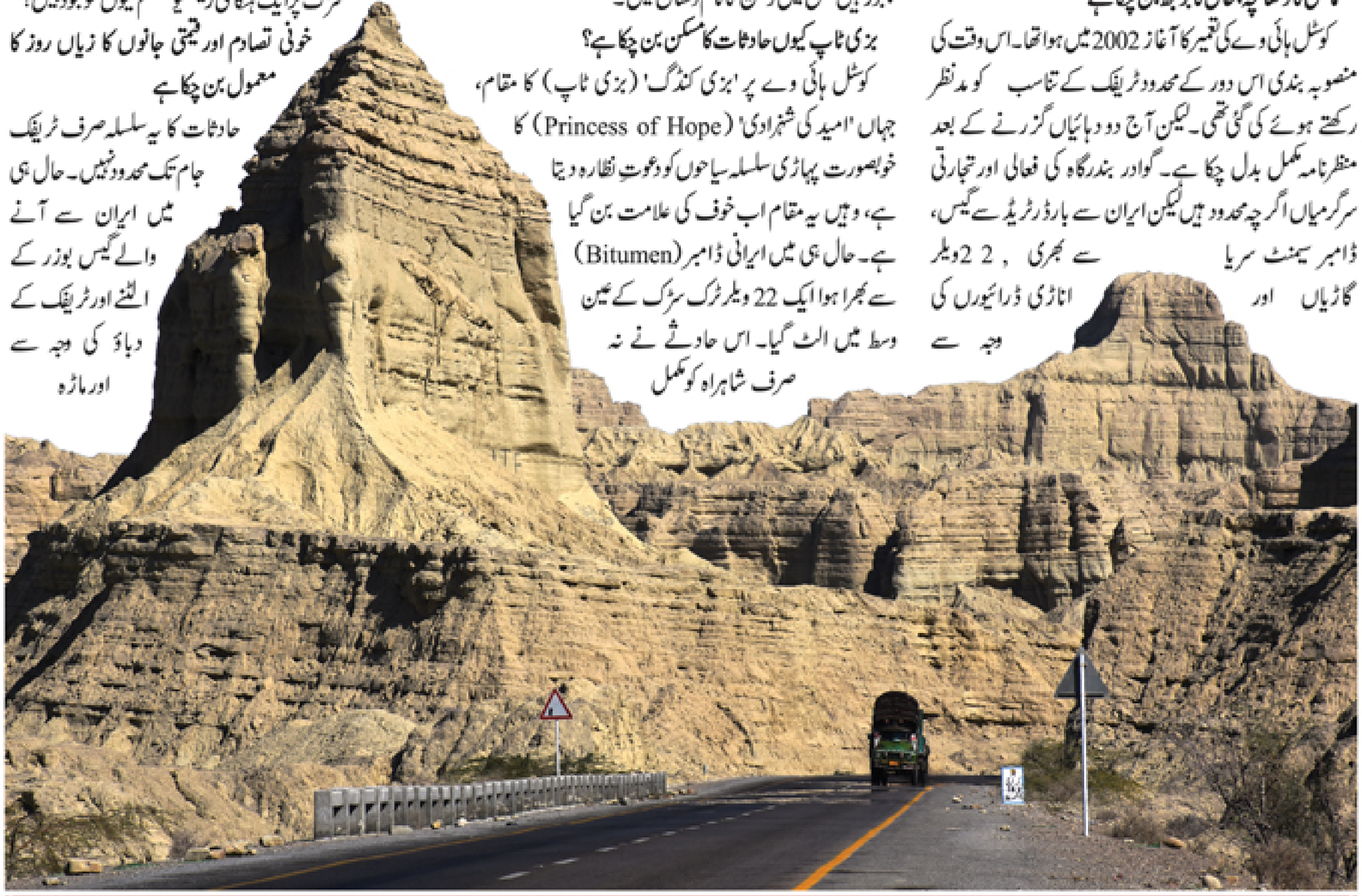

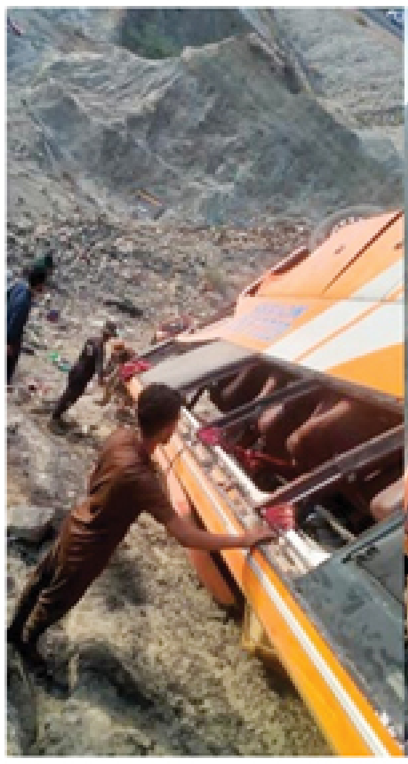

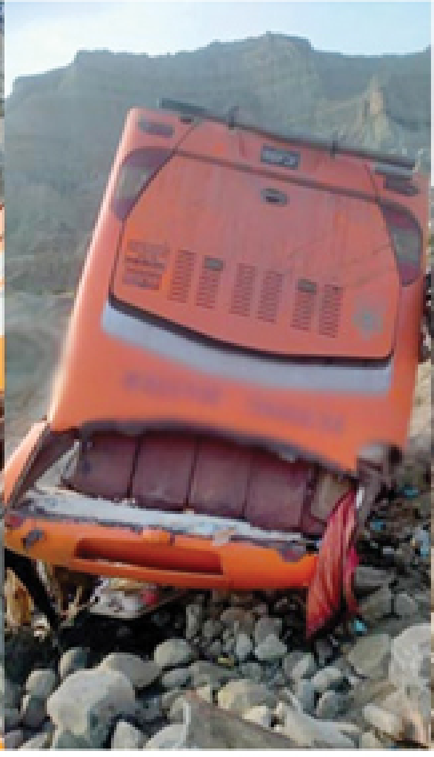

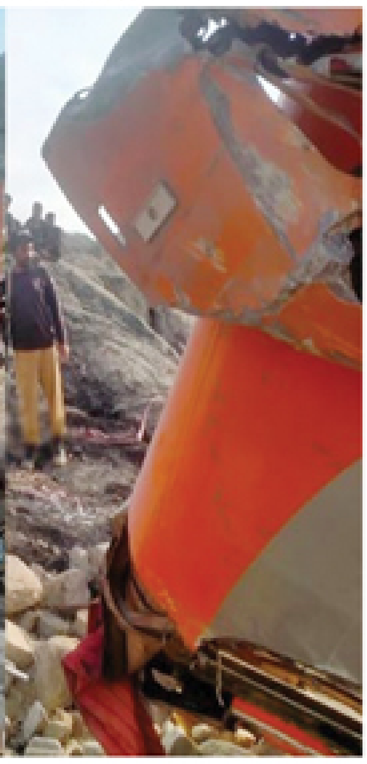

کے قریب دو کاروں میں المناک تصادم ہوا، جس میں کئی قیمتی جانیں ضائع ہوگئیں۔ یہ صرف حادثات نہیں بلکہ "انتظامی قتل" ہیں، کیونکہ اگر سڑک دو رویہ (Double Road) ہوتی اور ریسکیو کا نظام فعال ہوتا، تو شاید یہ جانیں بچائی جاسکتی تھیں۔

وقت کی ضرورت: تجاویز و مطالبات

حکومت اور این ایچ اے (NHA) کو اب خوابِ خرگوش سے جاگنا ہوگا۔ عوامی حلقوں کی جانب سے درج ذیل مطالبات اب شدت اختیار کرچکے ہیں:

سڑک کی توسیع (Double Road): 2002 کی بنی ہوئی اس یکطرفہ سڑک کو فوری طور پر دو رویہ ایکسپریس وے میں تبدیل کیا جائے تاکہ ہیوی ٹریفک اور مسافر گاڑیوں کا دباؤ کم ہوسکے، اوور لوڈنگ پر پابندی لگائی جائے، 22 ویلر اور حد سے زیادہ لدے ہوئے ٹرکوں کے لیے سخت قوانین بنائے جائیں اور ان کے لیے مخصوص اوقاتِ کار مقرر کیے جائیں، فوری ریسکیو پوائنٹس بنائے جائیں، اور ماڑہ، پسنی، کنڈ ملیر اور بزی ٹاپ جیسے حساس مقامات پر مستقل بنیادوں پر کرین، بلڈوزر اور جدید ایمبولینس سروسز کا قیام یقینی بنایا جائے، ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے خطرناک موڑ اور چڑھائیوں پر جدید سیفٹی بیریئرز اور وارننگ سائنز لگائے جائیں۔

مکران کوسٹل ہائی وے صرف ایک سڑک نہیں، بلکہ گوادر پورٹ کے ذریعے پاکستان کی معیشت کو جوڑنے والی "شہ رگ" ہے۔ اگر اس شہ رگ پر توجہ نہ دی گئی تو نہ صرف انسانی جانوں کا زیاں بڑھتا رہے گا بلکہ ملک کی معاشی ترقی کا پہیہ بھی جام ہوجائے گا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ بلوچستان کے عوام کو بھی وہی جدید سہولتیں اور سڑکیں دی جائیں جن کا حق ملک کے دیگر حصوں کو دیا گیا ہے۔ اور سی پیک کی ابتدا گوادر ہے لیکن سی پیک کے اثرات یہاں نظروں سے غائب کیوں؟

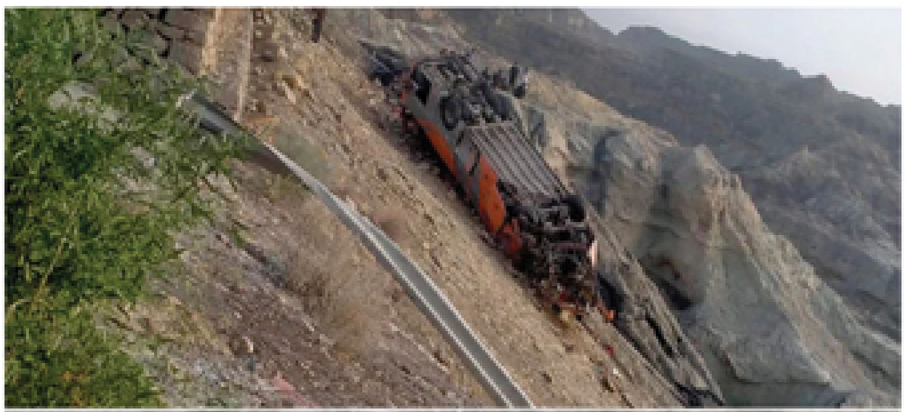

واشک۔۔بڑھتی ہوئی غربت اور پسماندگی کے بنیادی اسباب۔۔چند تجاویز

واشک کی وسیع تر آبادی کا انحصار پاک ایران سرحد کی تجارت پر ہے

نصیر کبدانی
وش نیوز، ماشکیل

گزشتہ کئی عشروں سے ملکی و غیر ملکی اداروں کی مرتب کردہ رپورٹس کے مطابق بلوچستان کے جنوب مغربی حصے میں واقع ضلع واشک بدترین پسماندگی غربت اور محرومی سے دوچار اضلاع کی فہرست میں نمایاں ہے کئی ماہ و سال حتیٰ کہ عشروں کے گزر جانے کے باوجود صورتحال بہتر ہونے کی بجائے مزید گھمبیر تر نظر آتی ہے ۔جس کی وجہ سے غربت، پسماندگی و محرومی تشویشناک حدوں تک بڑھ چکی ہے۔ بنیادی طور پر واشک کا شمار آبادی اور رقبے کے اعتبار سے صوبے کے بڑے اضلاع میں ہوتا ہے۔

یہاں کی مقامی آبادی پانچ تحصیلوں اور دور افتادہ دیہی علاقوں میں بٹی ہوئی ہے، پورے ضلع میں روزگار کا مستقل کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ماضی میں بیشتر لوگ کھیتی باڑی اور گلہ بانی کرکے اپنے خاندانوں کی کفالت کرتے رہے ہیں لیکن اب کھیتی باڑی اور گلہ بانی کے شعبے پہلے کی طرح نہیں رہے جس کے سبب لوگوں کے ذریعہ آمدنی شدید متاثر ہوئے ہیں۔ بدقسمتی سے واشک بلوچستان کے ان علاقوں میں سے ایک ہے جہاں بنیادی انفرااسٹرکچر کا شروع سے ہی شدید فقدان رہا ہے۔

یہاں سڑکوں کی حالت نہایت خستہ حال جبکہ بنیادی ابتدائی تعلیم اور علاج معالجے کے مراکز کی سخت قلت رہی ہے، جب کہ زراعت کی ترقی اور درپیش مسائل کے حل کے لیے خاطر خواہ اور ٹھوس اقدامات نہیں کیے گئے جس کی وجہ سے اجتماعی سطح پر سماج کی غربت اور پسماندگی میں بے تحاشا اضافہ ہوا جس نے عوامی طور پر محرومی کے احساس کو جنم دیا۔ تعلیم سے دوری اور ناخواندگی کے شرح میں بے پناہ بڑھوتری نے جہالت پیدا کرکے شہریوں کو معاشرتی اور اجتماعی ترقی کے وسیلوں کے ادراک سے محروم کردیا، علم و ہنر کے فقدان نے مختلف قسم کے مسائل و مشکلات کھڑی کرکے مالی نقصانات اور بے راہ وروی کے کئی دروازے وا کردیے ہیں۔

واشک میں منشیات فروشی اور منشیات نوشی عام ہوگئی ہے جو علاقے میں روایتی امن کے لیے ایک منظم چیلنج کی شکل اختیار کرچکی ہے، علاوہ ازیں منشیات کے عادی افراد کی تعداد میں دن بدن اضافے اور روزگار کے ذرائع محدود ہونے سے سماجی و معاشی ناہمواری بڑھ گئی ہے۔ ضلع بھر میں کہیں پر بھی کھیلوں کے معیاری اسٹیڈیم نہیں ہیں اور جدید سائنسی صدی میں کھلاڑی پتھریلی زمین پر کھیلنے پر مجبور ہیں جب کہ تاحال پورے ضلع میں بنیادی علاج معالجے کے مراکز فعال نہیں ہیں اور بنیادی تعلیمی ادارے بھی ضرورت سے کہیں کم اور ناکافی ہیں۔

زراعت اور گلہ بانی جو روزگار کے اہم ترین وسیلے رہے ہیں اب سرکاری سطح پر نظرانداز کرنے کے نتیجے میں محدود ہوکر رہ گئے ہیں جسکی وجہ سے غربت اور افلاس کے سائے مزید گہرے ہوگئے ہیں اور مقامی لوگ ترقی سے کوسوں دور پسماندگی کے بھنور میں پھنس کر دھکے کھا رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ واشک کو غربت اور پسماندگی سے نکال کر ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں، بنیادی ڈھانچے کی تشکیل نو کرکے سڑکوں کا معیاری جال بچھایا جائے تاکہ آمدورفت کی مشکلات سے چھٹکارا حاصل کرکے ترقی کے عمل میں برق رفتاری سے سفر کیا جاسکے، لوگوں کے ذرائع آمدن میں اضافے اور بیروزگاری کے خاتمے کے لیے وسیع سطح پر میرٹ اور شفافیت کے تحت مؤثر اور ہمہ پہلو

واشک بلوچستان

اقدامات کی اشد ضرورت ہے۔

تعلیمی مراکز کو فوری فعال اور علاج معالجے کی مؤثر فراہمی یقینی بنا کر زراعت کے شعبے کو جدید سائنسی تقاضوں اور خطوں سے ہم آہنگ کر کے مقامی کسانوں کی حوصلہ افزائی کی جائے، واشک کے مختلف علاقوں میں کھجور کے بے شمار درخت موجود ہیں اور یہ مختلف قسم کی اعلیٰ معیار کے کھجوروں کی پیداوار کے لیے معروف ہے لیکن ڈیٹ فیکٹری کی عدم دستیابی کی وجہ سے ہزاروں ٹن کھجور کی پیداوار مارکیٹ تک رسائی حاصل کیے بنا خراب ہو جاتیں ہیں جو بھاری نقصان کا موجب بن جاتی ہیں۔ اگر علاقے میں زراعت کی ترقی کے لیے سنجیدہ کوششیں کی گئی تو نتیجے کے طور پر گلہ بانی کی صنعت بھی ترقی کے منازل طے کرے گی جس سے علاقے میں معاشی انقلاب لایا جا سکتا ہے۔

نوجوانوں کے لیے ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے مواقع پیدا کرنا بہت ضروری ہے جس کے لیے مؤثر اقدامات ناگزیر ہیں۔ علاقے میں کھیلوں کے فروغ اور مقابلوں کے رجحانات کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے معیاری اسٹیڈیم بنائے جائیں، جب کہ تیز تر انٹرنیٹ کی بلاتعطل فراہمی اہمیت کی حامل ہے تاکہ نوجوان دنیا سے شناسا اور جدید آن لائن ذرائع سے استفادہ کر سکے۔ باعزت روزگار کے حصول میں سرگرداں نوجوانوں کی مایوسی اور بیزاری کے خاتمے کے لیے میرٹ کی بنیاد پر شفاف طریقے سے سرکاری و غیر سرکاری آسامیوں کو پُر کرنے کے انتظامات کیے جائیں، اقربا پروری اور بدعنوانی کرنے کے مرتکب افراد اور اہلکاروں کیخلاف سخت ترین کارروائی کر کے عوامی اعتماد سازی کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

واشک کی ایک وسیع تر آبادی کا انحصار پاک ایران سرحد کی تجارت پر ہے، سرحدی تجارت میں بار بار خلل کی وجہ سے روزگار کی فراہمی سخت متاثر ہوتی ہے چنانچہ سرحدی تجارت کو قانونی جواز اور بنیاد فراہم کر کے سرحدی علاقوں کے شہریوں کے روزگار کو دائمی تحفظ فراہم کیا جائے تاکہ واشک کی پسماندگی کے خاتمے کے لیے مدد مل سکے۔

وژنری رپورٹ

بلوچستان، جو رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے، تعلیمی میدان میں شدید پسماندگی کا شکار ہے، خصوصاً اس کے دیہی علاقوں میں تعلیم کی صورتحال نہایت تشویشناک ہے۔ یہاں تعلیمی سہولیات کی کمی، سماجی رکاوٹیں، معاشی مسائل اور حکومتی غفلت نے مل کر ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے جہاں تعلیم اب بھی ایک بنیادی حق کے بجائے ایک خواب محسوس ہوتی ہے۔

سب سے نمایاں مسئلہ تعلیمی اداروں کی کمی اور ان کی ناقص حالت

بلوچستان کے دیہی علاقوں میں تعلیم کی صورتحال: چیلنجز اور امکانات

وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اس مسئلے کو سنجیدگی سے لیں اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک روشن مستقبل کی بنیاد رکھیں

ہے۔ بلوچستان کے کئی دیہات ایسے ہیں جہاں اسکول موجود ہی نہیں، اور جہاں اسکول ہیں بھی وہاں بنیادی سہولیات کا فقدان ہے۔ عمارتیں خستہ حال، کلاس رومز ناکافی، اور فرنیچر نہ ہونے کے برابر ہے۔ بعض علاقوں میں اسکول صرف کاغذوں میں موجود ہیں، جبکہ حقیقت میں وہاں تعلیم کا کوئی نظام فعال نہیں۔ اساتذہ کی غیر حاضری بھی ایک بڑا مسئلہ ہے، جس کی وجہ سے بچوں کی تعلیم متاثر ہوتی ہے۔

اساتذہ کی کمی اور ان کی غیر تربیت یافتہ حیثیت بھی تعلیمی معیار کو متاثر کر رہی ہے۔ دیہی علاقوں میں قابل اور تربیت یافتہ اساتذہ کی تعیناتی ایک بڑا چیلنج ہے، کیونکہ اکثر اساتذہ دور دراز علاقوں میں جانے سے گریز کرتے ہیں۔ نتیجتاً، جو اساتذہ موجود ہوتے ہیں وہ بھی جدید تدریسی طریقوں سے ناواقف ہوتے ہیں، جس سے طلبہ کی سیکھنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔

سماجی اور ثقافتی عوامل بھی تعلیم کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں، خاص طور پر لڑکیوں کی تعلیم کے حوالے سے۔ بہت سے دیہی علاقوں میں لڑکیوں کو اسکول بھیجنے کا رجحان کم ہے، جس کی وجوہات میں روایتی سوچ، کم عمری کی شادیاں، اور سیکیورٹی خدشات شامل ہیں۔ والدین اکثر لڑکیوں کی تعلیم کو غیر ضروری سمجھتے ہیں، جس کے باعث خواتین کی شرح خواندگی انتہائی کم ہے۔

معاشی مسائل بھی تعلیم کی راہ میں حائل ہیں۔ غربت کے باعث بہت سے خاندان اپنے بچوں کو اسکول بھیجنے کے بجائے کام پر لگانے کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ گھر کے اخراجات میں مدد مل سکے۔ بچوں سے مشقت لینا، خاص طور پر لڑکوں کو مزدوری پر لگانا، ایک عام رجحان ہے جو ان کے تعلیمی مستقبل کو متاثر کرتا ہے۔ انفرااسٹرکچر کی کمی بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ دیہی علاقوں میں سڑکوں، ٹرانسپورٹ اور مواصلاتی سہولیات کی کمی کے باعث بچوں کے لیے اسکول تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر لڑکیوں کے لیے دور دراز اسکول جانا ایک بڑا مسئلہ ہے، جس کی وجہ سے وہ تعلیم سے محروم رہ جاتی ہیں۔ تاہم، ان تمام چیلنجز کے باوجود بہتری کے امکانات بھی موجود ہیں۔ حکومت اور غیر سرکاری تنظیموں کی جانب سے مختلف اقدامات کیے جا رہے ہیں، جیسے کہ موبائل اسکولز، کمیونٹی بیسڈ ایجوکیشن پروگرامز، اور اساتذہ کی تربیت کے منصوبے۔ اگر ان اقدامات کو مؤثر انداز میں نافذ کیا جائے تو تعلیمی صورتحال میں بہتری لائی جا سکتی ہے۔ ٹیکنالوجی کا استعمال بھی تعلیم کے فروغ میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

آن لائن تعلیم، ڈیجیٹل کلاس رومز، اور ای لرننگ پلیٹ فارمز کے ذریعے دور دراز علاقوں کے بچوں کو بھی معیاری تعلیم فراہم کی جا سکتی ہے۔ تاہم، اس کے لیے انٹرنیٹ اور بجلی کی فراہمی کو یقینی بنانا ضروری ہے۔

بلوچستان کے دیہی علاقوں میں تعلیم کی بہتری کے لیے ایک جامع اور مربوط حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ تعلیمی بجٹ میں اضافہ کرے، اسکولوں کی تعداد اور معیار کو بہتر بنائے، اور اساتذہ کی تربیت پر توجہ دے۔ ساتھ ہی، سماجی رویوں میں تبدیلی لانے کے لیے آگاہی مہمات چلائی جائیں تاکہ والدین بچوں، خاص طور پر لڑکیوں کی تعلیم کو اہمیت دیں۔

تعلیم کسی بھی معاشرے کی ترقی کی بنیاد ہوتی ہے۔ اگر بلوچستان کے دیہی علاقوں میں تعلیم کو ترجیح نہ دی گئی تو یہ پسماندگی کا دائرہ مزید وسیع ہو جائے گا۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اس مسئلے کو سنجیدگی سے لیں اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک روشن مستقبل کی بنیاد رکھیں۔

جنوبی ایشیا میں خواتین کی صورتحال: امکانات، رکاوٹیں اور بلوچستان کا خاموش بحران

بلوچستان جیسے خطے اس بات کی یاددہانی کراتے ہیں کہ ترقی یکساں نہیں ہوتی، اور بعض علاقوں میں خواتین اب بھی بنیادی حقوق سے محروم ہیں

وژنری تجزیاتی رپورٹ

جنوبی ایشیا ایک ایسا خطہ ہے جہاں تہذیب، ثقافت اور تاریخ کی گہری جڑیں موجود ہیں، مگر اسی خطے میں خواتین کی حالت ایک پیچیدہ تضاد کی عکاسی کرتی ہے۔ ایک طرف خواتین تعلیم، سیاست، معیشت اور سماجی ترقی میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہیں، تو دوسری جانب صنفی عدم مساوات، تشدد، غربت اور روایتی پابندیاں ان کی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ وژنری رپورٹ جنوبی ایشیا میں خواتین کی مجموعی صورتحال کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیتی ہے جس میں خاص طور پر بلوچستان جیسے پسماندہ خطے کی خواتین کے مسائل کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔

جنوبی ایشیا میں خواتین: ایک عمومی منظرنامہ

جنوبی ایشیا کے ممالک، پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش، نیپال، سری لنکا اور افغانستان میں خواتین کی حالت میں واضح تفاوت پایا جاتا ہے، لیکن کچھ مسائل تقریباً مشترک ہیں۔ اقوام متحدہ کے مطابق اس خطے میں خواتین کو تعلیم، صحت اور روزگار کے مواقع مردوں کے مقابلے میں کم دستیاب ہیں۔ تعلیم کے میدان میں پیش رفت کے باوجود، دیہی علاقوں میں لڑکیوں کی شرح خواندگی اب بھی تشویشناک حد تک کم ہے۔ خاص طور پر پاکستان اور افغانستان میں لاکھوں بچیاں اسکول سے باہر ہیں۔ اسی طرح صحت کے شعبے میں زچگی کے دوران اموات کی شرح بھی کئی ممالک میں بلند ہے، جو بنیادی طبی سہولیات کی کمی کو ظاہر کرتی ہے۔ معاشی لحاظ سے دیکھا جائے تو خواتین کی لیبر فورس میں شرکت کم ہے، اور جو خواتین کام کرتی بھی ہیں انہیں کم اجرت اور غیر محفوظ حالات کا سامنا ہوتا ہے۔

صنفی تشدد اور سماجی رکاوٹیں

جنوبی ایشیا میں خواتین کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ صنفی تشدد ہے۔ گھریلو تشدد، جبری شادی، غیرت کے نام پر قتل، اور جنسی ہراسانی جیسے مسائل عام ہیں۔ ہیومن رائٹس واچ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹس کے مطابق، قوانین کے باوجود ان پر عملدرآمد کمزور ہے۔ یہ صورتحال صرف قانونی نہیں بلکہ سماجی بھی ہے، جہاں روایات اور پدرشاہی نظام خواتین کو دبانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ماحولیاتی تبدیلی اور خواتین

ماحولیاتی تبدیلی بھی خواتین کی زندگیوں پر گہرے اثرات ڈال رہی ہے۔ جنوبی ایشیا میں سیلاب، خشک سالی اور شدید گرمی کی لہریں خواتین کے لیے مزید مشکلات پیدا کر رہی ہیں۔ دیہی علاقوں میں خواتین پانی اور ایندھن جمع کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہیں، اس لیے ماحولیاتی بحران ان کی محنت میں کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ یہاں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ خواتین نہ صرف متاثر ہوتی ہیں بلکہ ماحولیاتی تحفظ میں کلیدی کردار بھی ادا کر سکتی ہیں، اگر انہیں مواقع فراہم کیے جائیں۔

بلوچستان: ایک نظرانداز شدہ حقیقت

پاکستان کے صوبے بلوچستان میں خواتین کی صورتحال جنوبی ایشیا کے دیگر حصوں سے بھی زیادہ پیچیدہ اور تشویشناک ہے۔ یہ خطہ نہ صرف جغرافیائی طور پر وسیع ہے بلکہ ترقیاتی لحاظ سے بھی پیچھے ہے، جس کا سب سے زیادہ اثر خواتین پر پڑتا ہے۔ بلوچستان میں خواتین کی شرح خواندگی ملک میں سب سے کم ہے۔

بہت سی لڑکیاں اسکول تک رسائی ہی حاصل نہیں کر پاتیں، اور جو تعلیم شروع کرتی ہیں وہ بھی جلد ترک کر دیتی ہیں۔ اس کی وجوہات میں غربت، دوری، سیکیورٹی خدشات اور سماجی پابندیاں شامل ہیں۔

صحت کے شعبے میں صورتحال اور بھی سنگین ہے۔ زچگی کے دوران اموات کی شرح بلوچستان میں بہت زیادہ ہے، اور دیہی علاقوں میں بنیادی صحت کی سہولیات کا فقدان ہے۔ خواتین کو اکثر تربیت یافتہ ڈاکٹر یا دائی میسر نہیں ہوتی۔ دوسری جانب بلوچستان میں قبائلی نظام خواتین کی آزادی کو محدود کرتا ہے۔ خواتین کی نقل و حرکت، تعلیم، اور ملازمت کے مواقع پر سخت پابندیاں ہیں۔ بہت سی خواتین کو اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ بلوچستان میں پانی کی قلت، خشک سالی اور زمین کی زرخیزی میں کمی نے خواتین کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیا ہے۔ پانی لانے کے لیے کئی کلومیٹر پیدل چلنا پڑتا ہے، جو نہ صرف جسمانی مشقت ہے بلکہ صحت کے مسائل بھی پیدا کرتا ہے۔

ان تمام تر چیلنجز کے باوجود جنوبی ایشیا میں خواتین کی بہتری کے لیے مثبت اقدامات بھی ہو رہے ہیں۔ بنگلہ دیش میں خواتین کی معاشی شرکت میں اضافہ، بھارت میں خواتین کی سیاسی نمائندگی، اور نیپال میں صنفی مساوات کے قوانین اس کی مثالیں ہیں۔ پاکستان میں بھی مختلف غیر سرکاری تنظیمیں اور حکومتی پروگرام خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ بلوچستان میں کچھ مقامی تنظیمیں تعلیم، صحت اور ہنر سکھانے کے پروگرام چلا رہی ہیں، جو امید کی ایک کرن ہیں۔

کیا کیا جائے؟

اگر جنوبی ایشیا میں خواتین کی حالت کو بہتر بنانا ہے تو اس کے لیے ایک جامع اور طویل المدتی حکمت عملی کے ذریعے مندرجہ ذیل اقدامات اٹھانا ہوں گے۔

لڑکیوں کی تعلیم کو ترجیح دی جائے، خاص طور پر دیہی اور پسماندہ علاقوں میں، صحت کی سہولیات کی فراہمی کے لیے بنیادی صحت کے مراکز کو بہتر بنایا جائے، اور خواتین کے لیے خصوصی پروگرام شروع کیے جائیں، خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے بنائے گئے قوانین پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے، خواتین کو روزگار اور کاروبار کے مواقع فراہم کیے جائیں اس کے ساتھ خواتین کو ماحولیاتی پالیسی سازی میں شامل کیا جائے۔

جنوبی ایشیا میں خواتین کی صورتحال ایک پیچیدہ مگر بدلتی ہوئی حقیقت ہے۔ بلوچستان جیسے خطے اس بات کی یاد دہانی کراتے ہیں کہ ترقی یکساں نہیں ہوتی، اور بعض علاقوں میں خواتین اب بھی بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔ یہ وقت ہے کہ ہم خواتین کو صرف متاثرہ فریق کے طور پر نہ دیکھیں بلکہ انہیں تبدیلی کے ایک طاقتور ذریعہ کے طور پر تسلیم کریں۔

اگر درست پالیسیوں، تعلیم، اور سماجی رویوں میں تبدیلی لائی جائے تو جنوبی ایشیا کی خواتین نہ صرف اپنی تقدیر بدل سکتی ہیں بلکہ پورے خطے کی ترقی میں کلیدی کردار ادا کر سکتی ہیں۔ یہی وہ وژن ہے جو ایک منصفانہ، پائیدار اور روشن مستقبل کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔

وژنری رپورٹ

بلوچستان، جوقدرتی وسائل اور وسیع رقبے کے اعتبار سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے،

بلوچستان میں کھیل کے میدانوں کی کمی نوجوانوں کے مستقبل پر منڈلاتا خطرہ

حکومت، نجی شعبہ اور معاشرہ مل کر اگر اس مسئلے کا حل نکالیں تو بلوچستان کے نوجوانوں کو ایک صحت منداور روشن مستقبل فراہم کیا جاسکتا ہے

بدقسمتی سے کھیلوں کے بنیادی ڈھانچے کے حوالے سے شدید محرومی کا شکار ہے۔ خصوصاً کھیل کے میدانوں کی کمی ایک ایسا مسئلہ بن چکی ہے جو نہ صرف نوجوانوں کی جسمانی صحت بلکہ ان کی ذہنی نشوونما اور سماجی ترقی پر بھی منفی اثر ڈال رہی ہے۔ یہ مسئلہ محض تفریح کی کمی نہیں بلکہ ایک سنجیدہ سماجی اور ترقیاتی چیلنج ہے۔

بلوچستان کے بیشتر اضلاع، خصوصاً دیہی علاقوں میں کھیل کے میدان نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جہاں کہیں کھلی جگہیں موجود بھی ہیں، وہ یا تو غیر محفوظ ہیں یا ان پر تجاوزات قائم ہو چکی ہیں۔ شہری علاقوں میں بڑھتی ہوئی آبادی اور غیر منصوبہ بند ترقی نے بھی کھیل کے لیے مختص جگہوں کو محدود کر دیا ہے۔ نتیجتاً، نوجوانوں کے پاس صحت مند سرگرمیوں کے لیے مناسب مواقع موجود نہیں۔

کھیل کے میدانوں کی کمی کا سب سے بڑا اثر نوجوان نسل پر پڑ رہا ہے۔ کھیل نہ صرف جسمانی فٹنس کو بہتر بناتے ہیں بلکہ ٹیم ورک، نظم وضبط اور خود اعتمادی جیسی مثبت خصوصیات کو بھی فروغ دیتے ہیں۔ جب نوجوان ان مواقع سے محروم رہتے ہیں تو ان کی توانائیاں مثبت سمت میں استعمال نہیں ہو پاتیں، جو انہیں منفی سرگرمیوں کی طرف لے جاسکتی ہیں۔ اس تناظر میں کھیل کے میدانوں کی عدم دستیابی ایک سماجی خطرے کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

تعلیمی اداروں میں بھی کھیل کے میدانوں کی کمی ایک سنگین مسئلہ ہے۔ بلوچستان کے بہت سے اسکول اور کالجز ایسے ہیں جہاں کھیل کے لیے مناسب جگہ یا سہولیات موجود نہیں۔ نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں کا فقدان طلبہ کی ہمہ جہت ترقی کو متاثر کرتا ہے۔ اگر تعلیمی اداروں میں کھیل کو فروغ نہ دیا جائے تو طلبہ کی جسمانی اور ذہنی صحت متاثر ہو سکتی ہے۔

خواتین اور لڑکیوں کے لیے صورتحال مزید پیچیدہ ہے۔ معاشرتی رکاوٹوں کے ساتھ ساتھ کھیل کے محفوظ میدانوں کی عدم دستیابی انہیں مکمل طور پر کھیلوں سے دور کر دیتی ہے۔ بلوچستان میں خواتین کی کھیلوں میں شرکت نہ ہونے کے برابر ہے، جس کی ایک بڑی وجہ مناسب اور محفوظ سہولیات کا فقدان ہے۔ اگر خواتین کو کھیل کے مواقع فراہم کیے جائیں تو یہ نہ صرف ان کی صحت بلکہ ان کے اعتماد اور سماجی حیثیت کو بھی بہتر بنا سکتا ہے۔

حکومتی سطح پر کھیلوں کے فروغ کے لیے پالیسیوں کی کمی بھی اس مسئلے کو بڑھا رہی ہے۔ اگرچہ کچھ بڑے شہروں میں اسٹیڈیمز موجود ہیں، مگر وہ عام عوام، خصوصاً دیہی نوجوانوں کی دسترس سے باہر ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر ضلع اور تحصیل کی سطح پر چھوٹے مگر معیاری کھیل کے میدان قائم کیے جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ نوجوان ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

مزید برآں، نجی شعبے اور مقامی کمیونٹیز کا کردار بھی اہم ہو سکتا ہے۔ اگر مقامی سطح پر کمیونٹی گراؤنڈز بنائے جائیں اور نوجوانوں کو ان کی دیکھ بھال میں شامل کیا جائے تو نہ صرف کھیلوں کو فروغ ملے گا بلکہ سماجی ہم آہنگی بھی بڑھے گی۔ اس کے علاوہ، اسکولوں اور کالجوں میں کھیلوں کے مقابلوں کا انعقاد بھی نوجوانوں میں دلچسپی پیدا کر سکتا ہے۔ کھیل کے میدانوں کی کمی کا ایک پہلو صحت عامہ سے بھی جڑا ہوا ہے۔ جب نوجوان جسمانی سرگرمیوں سے دور رہتے ہیں تو موٹاپا، دل کے امراض اور ذہنی دباؤ جیسے مسائل بڑھنے لگتے ہیں۔ اس لیے کھیلوں کی سہولیات کو صحت کی پالیسی کا حصہ بنانا بھی ضروری ہے۔

بلوچستان میں کھیل کے میدانوں کی کمی ایک ایسا مسئلہ ہے جسے فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ اگر ہم نے آج اس پر کام نہ کیا تو کل ایک ایسی نسل ہمارے سامنے ہوگی جو نہ صرف جسمانی طور پر کمزور بلکہ ذہنی اور سماجی طور پر بھی پیچھے رہ جائے گی۔ حکومت، نجی شعبہ اور معاشرہ مل کر اگر اس مسئلے کا حل نکالیں تو بلوچستان کے نوجوانوں کو ایک صحت مند اور روشن مستقبل فراہم کیا جاسکتا ہے

میر شفیق الرحمٰن مینگل کون ہے؟

خضدار کی نشست این اے 256 پر ہونے والا ضمنی انتخاب بلوچستان کے مستقبل، اس کی نظریاتی سمت اور اس کے سیاسی رخ کا تعین کرنے والا لمحہ ہے

میر ندیم الرحمٰن محمد شہی

بلوچستان کی سیاست کو اگر محض واقعات کے بجائے نظریات کی روشنی میں دیکھا جائے تو ایک واضح لکیر دکھائی دیتی ہے۔ ایک طرف وہ سوچ جو بندوق، خوف اور ابہام کے ذریعے اپنی جگہ بناتی ہے، اور دوسری طرف وہ فکر جو ریاست، وحدت اور اجتماعی بقا کو مقدم رکھتی ہے۔ میر شفیق مینگل اسی فکری لکیر کے دوسرے سرے پر کھڑے نظر آتے ہیں، جہاں اختلاف کو غداری نہیں بلکہ انتشار کو غداری سمجھا جاتا ہے۔

ان کا بیانیہ محض ردعمل نہیں بلکہ ایک نظریاتی موقف ہے۔ وہ بلوچستان کے مسئلے کو صرف سیاسی محرومی کے دائرے میں قید نہیں کرتے بلکہ اسے ایک بڑی تصویر کا حصہ سمجھتے ہیں۔ جہاں بیرونی مداخلت، مسلح تنظیموں کی پشت پناہی اور داخلی کمزوریاں مل کر ایک پیچیدہ صورتحال پیدا کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک اصل خطرہ اختلاف رائے نہیں بلکہ وہ مسلح سوچ ہے جو بندوق کے زور پر اپنی تعبیر مسلط کرنا چاہتی ہے اور پھر اسی تشدد کو ”قوم پرستی“ کا نام دے دیتی ہے۔

میر شفیق مینگل اس بیانیے کو چیلنج کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بلوچ روایت میں مہمان کا تحفظ، کمزور کا ساتھ اور عزت نفس بنیادی اقدار ہیں، لہٰذا بیرونی غلامی کے ذریعے کرایہ کا قاتل بن کر مزدوروں، مسافروں اور بے گناہ افراد کا قتل کسی صورت مزاحمت نہیں بلکہ کھلی دہشتگردی ہے۔ وہ اس فکری تضاد کو بھی نمایاں کرتے ہیں جہاں کچھ سیاسی قوتیں اقتدار میں شدت پسندی کو برا کہتی ہیں اور اقتدار سے باہر آ کر انہی عناصر کو نرم الفاظ میں پیش کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک یہی ابہام بلوچستان کے مسئلے کو مزید الجھاتا رہا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں میر شفیق الرحمٰن مینگل کا بیانیہ محض دفاعی نہیں رہتا بلکہ ایک فکری مزاحمت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ وہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر بزور طاقت لوگوں کو زیر کرنا ہی سچ کا پیمانہ بن جائے تو پھر دلیل، روایت اور اخلاقیات کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ ان کے نزدیک اصل جنگ زمین یا وسائل کی نہیں بلکہ ذہنوں کی ہے اور اسی لیے وہ نفرت، عصبیت، اور قوم پرستی کے مقابلے میں فکر، نظریہ اور قومی وحدت کو کھڑا کرتے ہیں۔ ان کی سوچ میں پاکستان محض ایک جغرافیہ نہیں بلکہ ایک نظریہ ہے، اور اس نظریے کے ساتھ وابستگی کسی مصلحت کی نہیں بلکہ ایمان کی سطح کی وابستگی ہونی چاہیے۔

مگر یہ سب صرف الفاظ نہیں، ایک ایسی جدوجہد کا خلاصہ ہے جس کی بنیاد قربانیوں پر ہے۔ 2011 کا وہ سانحہ، جب ان کے گھر کو خودکش حملے کا نشانہ بنایا گیا اور ان کے 16 ساتھی شہید ہوئے، اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ نظریے پر قائم رہنا آسان نہیں ہوتا۔ مگر یہ صرف ایک واقعہ نہیں تھا، اس کے بعد بھی قربانیوں کا سلسلہ رکا نہیں۔ وقتاً فوقتاً ٹارگٹ کلنگ کے ذریعے ان کے تقریباً 300 جانباز ساتھیوں کو شہید کیا جاتا رہا، اور سینکڑوں ایسے گمنام ہیروز اس جدوجہد میں قربان ہوئے جن کے ناموں کا احاطہ ممکن نہیں، مگر ان کی قربانیاں اس سرزمین کی مٹی میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

یہی نہیں، 2023 میں جب ان کے مخالفین اقتدار اور طاقت کی چوٹی پر تھے تو ایک بار پھر ریاستی ڈھانچے کو استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کے ساتھ مسلسل چار ماہ تک میر شفیق مینگل کے گاؤں اور علاقے پر گولہ باری اور بارود کی بارش کی جاتی رہی تین جانباز فرنٹ لائن پر جام شہادت نوش کر گئے یہ ایک کھلی جنگ تھی، مگر اس بار بھی وہی منظر دہرایا گیا: میر شفیق الرحمٰن مینگل اپنی جماعت اور اپنے لوگوں کے ساتھ سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑے رہے، نہ پیچھے ہٹے، نہ جھکے اور بالآخر چار ماہ کی مزاحمت نے دشمن کو مورچے چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا، اور پھر... 2025 ایک ایسا سال جس نے اس جدوجہد کو ایک نئی معنویت، ایک نیا وقار بخشا۔ ان کے بڑے بھائی، اس تحریک کے روح رواں، ایک جرنیل صفت قائد، بلوچستان میں پاکستانیت کی پہچان سمجھے جانے والے میر عطاالرحمٰن مینگل بھی اسی راستے کے مسافر ٹھہرے۔

چالیس سے زائد مسلح دہشتگردوں کے گھیراؤ میں، وہ کوئی عام

منظر نہیں تھا، وہ عزم، غیرت اور وفاداری کا امتحان تھا۔ دشمن کی للکاریں بلند ہوتی رہیں، ہتھیار ڈالنے کے مطالبے گونجتے رہے، مگر جواب میں خاموشی نہیں بلکہ گرجتی ہوئی اٹل استقامت کھڑی تھی۔ وہ ڈٹے رہے، لڑتے رہے، اور اپنے خون کے آخری قطرے تک اس سرزمین سے اپنی وابستگی کا حق ادا کرتے رہے۔ انہوں نے ''نو سرینڈر'' کو محض ایک نعرہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے ایک زندہ روایت بنا دیا، ایسی روایت جو تاریخ کے اوراق میں نہیں، بلکہ کردار کی بلندیوں میں لکھی جاتی ہے۔ وہ گرے تو ہار کر نہیں، بلکہ ایک داستان مکمل کر کے گرے۔ اپنے آباؤ اجداد کی میراث کو نئی زندگی دے کر، اور آنے والی نسلوں کے لیے یہ پیغام چھوڑ کر کہ وفاداری جب ایمان بن جائے تو موت بھی اسے شکست نہیں دے سکتی۔

2009 سے 2012 تک کا عرصہ میر شفیق کی عملی حکمتِ عملی کا مظہر رہا، جب انہوں نے کالعدم تنظیموں کو پیچھے دھکیلنے میں کلیدی کردار ادا کیا اور کئی علاقوں میں امن کی فضا بحال ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب پہلی بار یہ احساس پیدا ہوا کہ اگر نیت اور سمت درست ہو تو بلوچستان میں استحکام ممکن ہے حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب پاکستان کا جھنڈا لہرانے کی جرات کسی میں نہیں ہوتی تھی مگر جیسے ہی "حق نا توار" کے فکری اور نظریاتی سلوگن اور راہِ حق میں بے شمار شہادتوں کے نتیجے میں حالات بہتر ہونے لگے تو مفادات کی سیاست نے رخ بدلا اور ایک منظم انداز میں انہیں نشانہ بنایا گیا۔

2013 میاں نواز شریف کے دور میں ان کے مخالفین نے ریاستی ڈھانچے کو استعمال کرتے ہوئے ان کے لیے مشکلات پیدا کیں۔ دباؤ، مقدمات اور کردار کشی کے ذریعے انہیں جھکانے کی کوشش کی گئی، مگر وہ ثابت قدم رہے۔ اسی دوران توتک، جو کالعدم بی ایل اے کا ایک مضبوط گڑھ سمجھا جاتا تھا، وہاں اجتماعی قبروں کا ایک منظم بیانیہ گھڑ کر اسے میر شفیق الرحمن مینگل کے خلاف پروپیگنڈے کے طور پر پیش کیا گیا۔ حالانکہ اس معاملے کو بلوچستان ہائی کورٹ کے ٹریبونل نے واضح طور پر یہ قرار دیا کہ میر شفیق الرحمن مینگل یا ان کے کسی بھی ساتھی کے خلاف کوئی قابلِ اعتبار شواہد موجود نہیں۔

ان تمام تر الزامات، دباؤ اور ناانصافیوں کے باوجود انہوں نے نہ کبھی ریاست سے شکوہ کیا، نہ گلہ، اور نہ ہی ان زیادتیوں کو بنیاد بنا کر ملک کے خلاف کوئی ہرزہ سرائی کی، بلکہ پہلے سے زیادہ عزم کے ساتھ پاکستان کی سالمیت اور نظریہ پاکستان کی بات کرتے رہے، اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ وہ ثابت قدم رہے۔ ان کا موقف وہی رہا کہ پاکستان کی سالمیت ہر شناخت سے بالاتر ہے۔

2018 اور 2024 کے انتخابات میں ایسے عناصر کو فارم 47 کے ذریعے آگے لایا گیا جنہوں نے دو غلے معیار، بلیک میلنگ اور مفاداتی سیاست کے ذریعے اقتدار کے ایوانوں تک رسائی حاصل کی۔ ریاستی وسائل عوام کے بجائے مخصوص گروہوں تک منتقل ہوتے رہے، اور بلوچستان ایک بار پھر اسی گرداب میں دھکیل دیا گیا جہاں ترقی کے بجائے انتشار کو تقویت ملتی ہے۔ مگر وقت کے ساتھ یہ تمام تضادات کھل کر سامنے آ گئے۔

اس پورے سفر میں میر شفیق الرحمن مینگل کا فکری زاویہ مزید واضح ہوتا گیا، وہ ایک ایسے بیانیے کے داعی بن کر ابھرے جس میں مذہب، ریاست اور مقامی شناخت ایک ترتیب کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں، پہلے ایمان، پھر پاکستان، اور اس کے بعد باقی تمام شناختیں۔ یہی وہ کیفیت ہے جسے شاعرِ مشرق نے یوں بیان کیا ہے:

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں ۔۔۔ اِدھر ڈوبے، اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے، اِدھر نکلے۔ یہ اشعار میر شفیق مینگل کی جدوجہد پر صادق آتے ہیں، ہر دباؤ کے بعد ایک نئی قوت، ہر آزمائش کے بعد ایک نیا عزم۔

اسی تسلسل میں حالیہ دنوں ایک غیر معمولی پیش رفت دیکھنے کو ملی کہ جب صدرِ مملکت آصف علی زرداری کی دعوت پر چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی بلاول بھٹو کی موجودگی میں ایوانِ صدر میں انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی تو یہ محض سیاسی قدم نہیں تھا بلکہ ایک نئے مرحلے کا آغاز تھا، جہاں ان کا بیانیہ اب قومی سطح پر ایک منظم شکل اختیار کر رہا ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ 2018 سے اب تک ''جھالاوان عوامی پینل'' ایک مضبوط سیاسی پلیٹ فارم کے طور پر ابھرا، جس نے سخت ترین حالات میں بھی پاکستان کا جھنڈا بلند رکھا۔ اس پلیٹ فارم کے تحت بڑے بڑے عوامی اجتماعات، ریلیاں اور مسلسل سیاسی سرگرمیاں نہ صرف جاری رہیں بلکہ ایک اجتماعی ذہن سازی اور نظریاتی تربیت کا عمل بھی پروان چڑھتا رہا۔ یہ سفر محض سیاست نہیں بلکہ ایک فکر کی آبیاری تھا، جس نے میر شفیق الرحمن مینگل کے بیانیے کو عوامی سطح پر جڑیں فراہم کیں اور اسے ایک منظم طاقت میں تبدیل کیا۔

اسی فکری و سماجی جدوجہد کے تسلسل میں وڈھ میں ''حاجی میر نیک محمد ریزیڈنشل پبلک سکول'' کی بنیاد بھی رکھی گئی، جو میر شفیق الرحمن مینگل کی ذاتی کاوشوں کا ثمر ہے۔ آج یہ ادارہ سینکڑوں طلبہ کے لیے پورے خطے میں ایک معیاری اور مثالی تعلیمی مرکز کے طور پر ابھر چکا ہے، جہاں صرف تعلیم نہیں بلکہ تربیت کو بھی بنیادی حیثیت حاصل ہے، اور جس کا سلوگن ہی ''تعلیم و تربیت، تعلیم سے تعمیر'' ہے۔

15 اپریل 2026 کو خضدار کے قومی نشست این اے 256 پر ہونے والا ضمنی انتخاب صرف ایک نشست کا مقابلہ نہیں، بلکہ یہ بلوچستان کے مستقبل، اس کی نظریاتی سمت اور اس کے سیاسی رخ کا تعین کرنے والا لمحہ ہے۔ اس میدان میں میر شفیق الرحمن مینگل صرف ایک امیدوار نہیں بلکہ ایک سوچ، ایک راستہ اور ایک فیصلہ کن سمت کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ وہ آج ایک قائد کے طور پر سامنے کھڑے ہیں، ایک ایسا رہنما جو قربانیوں سے گزرا، آزمائشوں میں نکھرا، اور جس نے حالات کے سامنے جھکنے کے بجائے تاریخ کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔ بلوچستان اگر اپنی حقیقی شناخت، استحکام اور نظریاتی سمت کی تلاش میں ہے، تو میر شفیق الرحمن مینگل اس تلاش کا ایک واضح جواب بن کر سامنے آتے ہیں۔

سہیل انور (فیکلٹی ممبر بیوٹمز)

امریکہ واسرائیل کی ایران کیخلاف جنگ اور اس کے علاقائی اثرات

مسلسل بمباری، مسلح گروہوں کی شمولیت اور عالمی طاقتوں کی مسابقت اسے ایک طویل، پیچیدہ اور کثیر جہتی علاقائی جنگ میں تبدیل کر دے گی

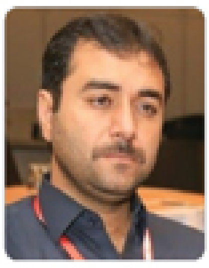

مشرق وسطی اس وقت گزشتہ کئی دہائیوں کے سب سے خطرناک مرحلے سے گزر رہا ہے، کیونکہ ایران، امریکہ اور اسرائیل کے درمیان تیزی سے بڑھتی ہوئی فوجی کشیدگی اپنے ابتدائی مراکز سے کہیں آگے پھیل چکی ہے۔ یہ تنازعہ نہ صرف اسٹریٹجک جھٹکوں کو جنم دے رہا ہے بلکہ اس کے معاشی اثرات اور جغرافیائی سیاسی تبدیلیاں بھی خطے کی موجودہ ساخت کو تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

موجودہ بحران کا آغاز 28 فروری 2026 کو ہوا جب اسرائیلی افواج نے امریکہ کے ساتھ ملکر ایران کے مختلف اسٹریٹجک اہداف پر وسیع فضائی اور میزائل حملے کیے۔ تل ابیب نے اس کارروائی کو ''آپریشن لائنز روئر'' کا نام دیا۔ ان حملوں میں ایرانی فوجی تنصیبات کو نشانہ بنایا گیا اور ان حملوں کے نتیجے میں ایران کے سپریم لیڈر علی خامنہ ای کی ہلاکت بھی واقع ہوئی۔ اس واقعے نے ایران میں شدید سوگ کی فضا پیدا کر دی اور ساتھ ہی ایران کے اندر فیصلہ کن جوابی کارروائی کے عزم کو مزید مضبوط کر دیا۔ تہران کا ردعمل فوری اور کئی جہتوں پر مشتمل تھا، جس نے اس تنازعے کے دائرہ کار کو ڈرامائی طور پر وسیع کر دیا۔ ایک مربوط کارروائی کے تحت ایران نے بیلسٹک میزائلوں، ڈرونز اور کروز میزائلوں کی بارش نہ صرف اسرائیل پر کی بلکہ خلیجی ممالک میں موجود امریکی فوجی اڈوں اور ان کے اتحادی ممالک کو بھی نشانہ بنایا۔ بحرین، قطر، کویت، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات میں موجود اہم تنصیبات، جن میں امریکی سفارت خانے بھی شامل تھے، ان حملوں کا نشانہ بنے جس سے بڑے پیمانے پر نقصان ہوا اور سفارتی عملے کے انخلاء کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس جنگ نے لبنان میں ایک دوسرے محاذ کو بھی متحرک کر دیا ہے۔ ایران کے اتحادی اور طاقتور مسلح گروہ حزب اللہ نے اسرائیلی افواج پر مسلسل میزائل حملے شروع کر دیے ہیں، جس کے جواب میں اسرائیلی دفاعی افواج نے شدید فضائی حملے کیے ہیں۔ اس طرح جنگ کے پھیلاؤ نے ایک تباہ کن اور کثیر محاذی جنگ کے خدشات کو مزید بڑھا دیا ہے۔ فوری جنگی میدان سے باہر بھی اس تصادم کے عالمی معیشت پر گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ آبنائے ہرمز، جو ایک اہم بحری گزرگاہ ہے اور جہاں سے دنیا کے تقریباً پانچویں حصہ تیل کی ترسیل ہوتی ہے، ایک حساس نقطہ بن چکی ہے۔ ایران کی جانب سے جہاز رانی کو متاثر کرنے کی دھمکیوں اور تجارتی جہازوں پر حملوں کی اطلاعات نے عالمی توانائی کی منڈیوں میں شدید اتار چڑھاؤ پیدا کر دیا ہے اور طویل مدتی معاشی عدم استحکام کے خدشات کو بڑھا دیا ہے۔

عالمی طاقتوں کی سطح پر چین اور روس اس صورتحال میں نہایت محتاط انداز میں اپنے قدم رکھ رہے ہیں۔ دونوں ممالک براہ راست مداخلت سے گریز کرتے ہوئے اس بحران سے اسٹریٹجک فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چین، جو خلیجی توانائی پر بہت زیادہ انحصار کرتا ہے اور ایرانی تیل کا ایک بڑا خریدار ہے، فوری کشیدگی میں کمی کا مطالبہ کر رہا ہے اور خاموشی سے اپنی بیلٹ اینڈ روڈ سرمایہ کاری کے لیے اہم سمندری راستوں کو محفوظ بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

بیجنگ کی فوجی مداخلت کے امکانات کم ہیں، تاہم وہ سفارتی ثالثی کے ذریعے خود کو ایک مستحکم عالمی طاقت کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ روس بھی ایران کے ساتھ شام میں سیکیورٹی تعاون اور خطے میں امریکی اثر و رسوخ کی مخالفت کے باعث ایک حد تک ہم آہنگ ہے۔ ممکن ہے کہ ماسکو ایران کے ساتھ انٹیلی جنس شیئرنگ اور دفاعی تعاون کو مزید بڑھائے، تاہم روس کی اپنی اسٹریٹجک مصروفیات اسے امریکہ کے ساتھ براہ راست تصادم سے محتاط رکھتی ہیں۔ دونوں طاقتیں اس بحران کو ایک وسیع تر جغرافیائی سیاسی تناظر میں دیکھ رہی ہیں، یعنی امریکی اثر و رسوخ کو چیلنج کرنے، مغربی اتحادوں کو آزمانے اور ایک زیادہ کثیر قطبی

علاقائی نظام کی طرف منتقلی کو تیز کرنے کا موقع۔

اس شدید تنازعے کی جڑیں کئی دہائیوں پر محیط باہمی عدم اعتماد میں پیوست ہیں۔ موجودہ کشیدگی کو امریکہ کی اس پالیسی کا نتیجہ سمجھا جا رہا ہے جسے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی حکومت کے دوران جارحانہ انداز میں اپنایا گیا تھا اور جس کا مقصد ایران کے علاقائی اثر و رسوخ کو محدود کرنا تھا۔ سفارتی راستے ترک کر کے براہِ راست فوجی کارروائی تک پہنچنا، جس کا نقطہ عروج ایران کے اعلیٰ ترین رہنما کو نشانہ بنانا تھا، تہران میں اسے حکومت کی تبدیلی کی ایک منظم کوشش کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ واشنگٹن کی حالیہ پالیسی تبدیلیاں بھی اسی ارادے کی عکاسی کرتی ہیں، اور امریکی صدر نے ایرانی عوام سے موجودہ حکومت کے خلاف بغاوت کی اپیل بھی کی ہے۔

اسلام آباد جیسے ہمسایہ دارالحکومتوں کے لیے یہ بحران ایک فوری اور پیچیدہ چیلنج بن کر سامنے آیا ہے۔ پاکستان نے اب تک باضابطہ طور پر غیر مداخلت کی پالیسی اختیار کی ہوئی ہے، لیکن یہ جنگ اس کی سلامتی اور معاشی کمزوریوں کو مزید بڑھا سکتی ہے۔ سعودی عرب کے ساتھ حال ہی میں طے پانے والی باہمی دفاعی مفاہمت پاکستان کی سفارتی پوزیشن کو مزید پیچیدہ بنا دیتا ہے، کیونکہ اسے خلیجی اتحادیوں کے ساتھ تعلقات برقرار رکھنے اور ساتھ ہی ایک ایٹمی صلاحیت رکھنے والے ایران کے ساتھ حساس سرحد کو سنبھالنے کے درمیان توازن قائم کرنا ہوگا۔

اس تنازعے کا ایک اور خطرناک پہلو یہ ہے کہ یہ ایک طویل پراکسی جنگ میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ عراقی کردستان میں اطلاعات ہیں کہ کرد مسلح گروہ متحرک ہو رہے ہیں جس سے نئے محاذ کھلنے کا امکان ہے۔ اسی طرح بلوچ مزاحمتی تنظیمیں اور مختلف کرد عسکری گروہ بھی اس وسیع تر تصادم کا حصہ بن سکتے ہیں۔ اگر بیرونی طاقتیں ان گروہوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے لگیں تو تشدد کا دائرہ ایران کے سرحدی علاقوں تک پھیل سکتا ہے، جس کے اثرات لازماً پاکستان کے کمزور سرحدی علاقوں تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔

جنگ کے دوسرے ہفتے میں داخل ہونے کے باوجود کشیدگی میں کمی کا کوئی واضح راستہ نظر نہیں آ رہا۔ بڑی عالمی طاقتیں اپنے شہریوں کے انخلاء، توانائی کی غیر مستحکم منڈیوں کو قابو میں رکھنے اور سفارتی حل تلاش کرنے میں مصروف ہیں تاکہ جوابی کارروائیوں کا سلسلہ مزید شدت اختیار نہ کر جائے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ مسلسل بمباری، مسلح گروہوں کی شمولیت اور عالمی طاقتوں کی مسابقت اس تصادم کو ایک طویل، پیچیدہ اور کثیر جہتی علاقائی جنگ میں تبدیل کر دے گی، جس کے اثرات مشرقِ وسطیٰ سے کہیں آگے تک محسوس کیے جائیں گے۔

> بیجنگ کی فوجی مداخلت کے امکانات کم ہیں، تاہم وہ سفارتی ثالثی کے ذریعے خود کو ایک مستحکم عالمی طاقت کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ روس بھی ایران کے ساتھ شام میں سیکیورٹی تعاون اور خطے میں امریکی اثر و رسوخ کی مخالفت کے باعث ایک حد تک ہم آہنگ ہے۔ ممکن ہے کہ ماسکو ایران کے ساتھ انٹیلی جنس شیئرنگ اور دفاعی تعاون کو مزید بڑھائے، تاہم روس کی اپنی اسٹریٹجک مصروفیات اسے امریکہ کے ساتھ براہِ راست تصادم سے محتاط رکھتی ہیں۔ دونوں طاقتیں اس بحران کو ایک وسیع تر جغرافیائی سیاسی تناظر میں دیکھ رہی ہیں، یعنی امریکی اثر و رسوخ کو چیلنج کرنے، مغربی اتحادوں کو آزمانے اور ایک زیادہ کثیر قطبی علاقائی نظام کی طرف منتقلی کو تیز کرنے کا موقع۔

وژنری رپورٹ

بلوچستان کے دیہی علاقوں میں ٹرانسپورٹ کے مسائل: ایک نظرانداز شدہ بحران

جب تک اس بحران کو حل نہیں کیا جائے گا، تعلیم، صحت اور معیشت کے شعبوں میں بہتری ممکن نہیں

بلوچستان پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے، مگر اس کی وسیع جغرافیائی حدود کے باوجود یہاں بنیادی سہولیات کی شدید کمی پائی جاتی ہے۔ ان مسائل میں ٹرانسپورٹ کا بحران نمایاں حیثیت رکھتا ہے، خصوصاً دیہی علاقوں میں جہاں آمد و رفت کے ذرائع نہایت محدود اور غیر معیاری ہیں۔ یہ مسئلہ نہ صرف روزمرہ زندگی کو متاثر کرتا ہے بلکہ تعلیم، صحت، تجارت اور سماجی روابط پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔

دیہی بلوچستان میں سڑکوں کا ناقص انفراسٹرکچر ٹرانسپورٹ کے مسائل کی بنیادی وجہ ہے۔ بیشتر دیہات کچی یا ٹوٹ پھوٹ کا شکار سڑکوں کے ذریعے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، جو بارش یا موسمی تبدیلیوں کے دوران ناقابلِ استعمال ہو جاتی ہیں۔ ایسے حالات میں لوگوں کے لیے قریبی شہروں یا

بنیادی سہولیات تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے۔ کئی علاقوں میں تو سڑکوں کا وجود ہی نہیں، جس کے باعث لوگ پیدل یا جانوروں کے ذریعے سفر کرنے پر مجبور ہیں۔

پبلک ٹرانسپورٹ کی عدم دستیابی بھی ایک سنگین مسئلہ بن چکا ہے۔ بلوچستان کے دیہی علاقوں میں بسیں، ویگنیں یا دیگر عوامی ٹرانسپورٹ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جو چند ذرائع موجود ہیں وہ بھی غیر محفوظ، مہنگے ہوتے ہیں۔ ٹرانسپورٹ کے اوقات مقرر نہ ہونے کے باعث لوگوں کو گھنٹوں بلکہ بعض اوقات دنوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ یہ صورتحال خاص طور پر خواتین، بزرگوں اور بچوں کے لیے انتہائی مشکلات کا باعث بنتی ہے۔

ٹرانسپورٹ کے مسائل کا سب سے زیادہ اثر صحت کے شعبے پر پڑتا ہے۔ جب کسی مریض کو فوری طبی امداد کی ضرورت ہوتی ہے تو اسے اسپتال تک پہنچانا ایک بڑا چیلنج بن جاتا ہے۔ ایمبولینس سروسز کی کمی اور سڑکوں کی خراب حالت کے باعث کئی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ حاملہ خواتین کے لیے یہ مسئلہ مزید خطرناک ہے، کیونکہ بروقت طبی امداد نہ ملنے کی صورت میں ماں اور بچے دونوں کی جان کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

تعلیم کے میدان میں بھی ٹرانسپورٹ کی کمی ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ دیہی علاقوں کے بہت سے بچے اسکولوں سے دوری کے باعث تعلیم حاصل نہیں کر پاتے۔ خاص طور پر لڑکیوں کے لیے محفوظ اور قابلِ رسائی ٹرانسپورٹ نہ ہونے کے باعث ان کی تعلیم ادھوری رہ جاتی ہے۔ والدین اکثر اپنی بیٹیوں کو دور دراز اسکول بھیجنے سے ہچکچاتے ہیں، جس سے شرح خواندگی متاثر ہوتی ہے۔

معاشی سرگرمیاں بھی اس مسئلے سے بری طرح متاثر ہوتی ہیں۔ کسان اور مزدور اپنی پیداوار کو منڈیوں تک بروقت نہیں پہنچا پاتے، جس کے باعث انہیں مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ٹرانسپورٹ کے اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے اشیا کی قیمتیں بھی بڑھ جاتی ہیں، جو عام شہری کے لیے مشکلات پیدا کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ، دور دراز علاقوں میں سرمایہ کاری نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ بھی ناقص ٹرانسپورٹ سسٹم ہے۔

سکیورٹی خدشات بھی ٹرانسپورٹ کے مسائل کو مزید پیچیدہ بناتے ہیں۔ بعض علاقوں میں امن و امان کی خراب صورتحال کے باعث ٹرانسپورٹ سروسز محدود ہو جاتی ہیں۔ ڈرائیورز اور مسافر غیر محفوظ محسوس کرتے ہیں، جس کے باعث آمد و رفت میں مزید کمی آتی ہے۔

ان مسائل کے حل کے لیے حکومت کو فوری اور مؤثر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے سڑکوں کے انفراسٹرکچر کو بہتر بنایا جائے اور دور دراز علاقوں کو مرکزی شاہراہوں سے جوڑا جائے۔ دیہی علاقوں میں سستی اور محفوظ پبلک ٹرانسپورٹ فراہم کی جائے تاکہ عوام کو آسانی ہو۔ ایمبولینس سروسز کو بہتر بنا کر صحت کے شعبے میں درپیش مشکلات کو کم کیا جا سکتا ہے۔

مزید برآں، نجی شعبے کو بھی اس میدان میں سرمایہ کاری کے لیے راغب کیا جانا چاہیے۔ مقامی سطح پر چھوٹے ٹرانسپورٹ منصوبے، جیسے کمیونٹی ویگن سروسز، دیہی علاقوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ، خواتین کے لیے علیحدہ اور محفوظ ٹرانسپورٹ سہولیات فراہم کرنا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

بلوچستان کے دیہی علاقوں میں ٹرانسپورٹ کا مسئلہ صرف آمد و رفت کا نہیں بلکہ ترقی کا مسئلہ ہے۔ جب تک اس بحران کو حل نہیں کیا جائے گا، تعلیم، صحت اور معیشت کے شعبوں میں بہتری ممکن نہیں۔ ایک مربوط اور جامع حکمت عملی کے ذریعے ہی اس مسئلے پر قابو پایا جا سکتا ہے، تاکہ بلوچستان کے عوام کو ایک بہتر اور آسان زندگی فراہم کی جا سکے۔

پانی کا عالمی دن: بلوچستان کا پیاسا منظرنامہ اور ایک ابھرتا ہوا انسانی بحران

ہمیں یاد رکھنا ہوگا کہ پانی کی ہر بوند قیمتی ہے اور شاید آنے والے وقت میں یہی بوند ہماری بقا کا فیصلہ کرے گی

وژنری رپورٹ

دنیا بھر میں ہر سال 22 مارچ کو پانی کا عالمی دن منایا جاتا ہے، مگر یہ دن محض ایک علامتی یاددہانی نہیں بلکہ ایک کڑوی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ پانی کی بڑھتی ہوئی قلت پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں یہ مسئلہ صرف ماحولیاتی نہیں بلکہ سماجی، معاشی اور سیاسی بحران کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ خاص طور پر بلوچستان، جو رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے، آج پانی کے شدید بحران کی زد میں ہے۔

حالیہ رپورٹس، خصوصاً ایشیائی ترقیاتی بینک کی نشاندہی، ایک تشویشناک تصویر پیش کرتی ہیں۔ بلوچستان میں زیرِ زمین پانی کی سطح ہر سال 3 سے 4 فٹ تک نیچے جا رہی ہے، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ پانی کے ذخائر تیزی سے ختم ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خشک سالی میں اضافہ، بارشوں کی غیر یقینی صورتحال، اور موسمیاتی تبدیلیوں کے اثرات اس بحران کو مزید گہرا کر رہے ہیں۔

زیرِ زمین پانی: ایک خاموش تباہی

بلوچستان کی معیشت کا بڑا انحصار زراعت اور مویشی بانی پر ہے، جو براہِ راست پانی سے جڑے ہوئے ہیں۔ لیکن زیرِ زمین پانی کی مسلسل گرتی ہوئی سطح نے اس نظام کو شدید متاثر کیا ہے۔ ٹیوب ویلز کی تعداد میں اضافہ تو ہوا، مگر پانی کے ذخائر کی بحالی کے لیے کوئی مؤثر حکمتِ عملی وضع نہ کی جا سکی۔ کوئٹہ، پشین، قلعہ عبداللہ اور مستونگ جیسے اضلاع میں پانی کی سطح خطرناک حد تک نیچے جا چکی ہے۔ کئی علاقوں میں تو پانی 500 سے 1000 فٹ کی گہرائی سے نکالا جا رہا ہے، جو نہ صرف مہنگا ہے بلکہ پائیدار بھی نہیں۔

خشک سالی اور موسمیاتی تبدیلیاں

بلوچستان پہلے ہی ایک خشک اور نیم خشک خطہ ہے، لیکن موسمیاتی تبدیلیوں نے یہاں کے موسمی پیٹرن کو مزید غیر متوقع بنا دیا ہے۔ بارشوں میں کمی، درجہ حرارت میں اضافہ، اور طویل خشک موسم نے پانی کے قدرتی ذرائع کو تقریباً ختم کر دیا ہے۔ یہ صورتحال نہ صرف زراعت بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کر رہی ہے۔ فصلیں تباہ ہو رہی ہیں، چراگاہیں ختم ہو رہی ہیں، اور مویشی مر رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں خوراک کی قلت اور غربت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

پانی کی تلاش میں نقل مکانی

پانی کی قلت نے بلوچستان میں ایک نئے انسانی بحران کو جنم دیا ہے وہ ہے نقل مکانی۔ لوگ اپنے آبائی علاقوں کو چھوڑ کر ایسے مقامات کی طرف جا رہے ہیں جہاں پانی دستیاب ہو۔ یہ ماحولیاتی مہاجرت نہ صرف شہروں پر دباؤ بڑھا رہی ہے بلکہ سماجی مسائل کو بھی جنم دے رہی ہے۔ کراچی اور دیگر شہری مراکز میں بلوچستان سے آنے والے افراد کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، جو روزگار، رہائش اور بنیادی سہولیات کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ صورتحال ایک بڑے انسانی المیے کی شکل اختیار کر سکتی ہے اگر فوری اقدامات نہ کیے گئے۔

زمین کا کٹاؤ اور ماحولیاتی تباہی

مقامی ماہرین کے مطابق بلوچستان کا تقریباً 80 فیصد علاقہ زمینی کٹاؤ کا شکار ہے۔ یہ کٹاؤ نہ صرف زمین کی زرخیزی کو متاثر کرتا ہے بلکہ پانی کے ذخائر کی قدرتی بحالی کو بھی روکتا ہے۔ درختوں کی کٹائی، غیر منصوبہ بند چرائی، اور ناقص زرعی طریقے اس مسئلے کو مزید بڑھا رہے ہیں۔ جب زمین اپنی نمی برقرار نہیں رکھ پاتی تو بارش کا پانی ضائع ہو جاتا ہے، اور زیرِ زمین پانی کی سطح مزید نیچے چلی جاتی ہے۔

سندھ اور بلوچستان: پانی کا تنازعہ

پانی کی قلت نے صوبوں کے درمیان تنازعات کو بھی جنم دیا ہے۔ سندھ اور بلوچستان کے درمیان پانی کی تقسیم پر اختلافات ایک حساس مسئلہ بن چکے ہیں۔ نہری نظام، ڈیمز، اور پانی کی تقسیم کے معاہدے اکثر تنازع کا سبب بنتے ہیں۔ یہ تنازعات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ پانی صرف ایک قدرتی وسیلہ نہیں بلکہ ایک سیاسی ہتھیار بھی بن چکا ہے۔ اگر اس مسئلے کو سنجیدگی سے حل نہ

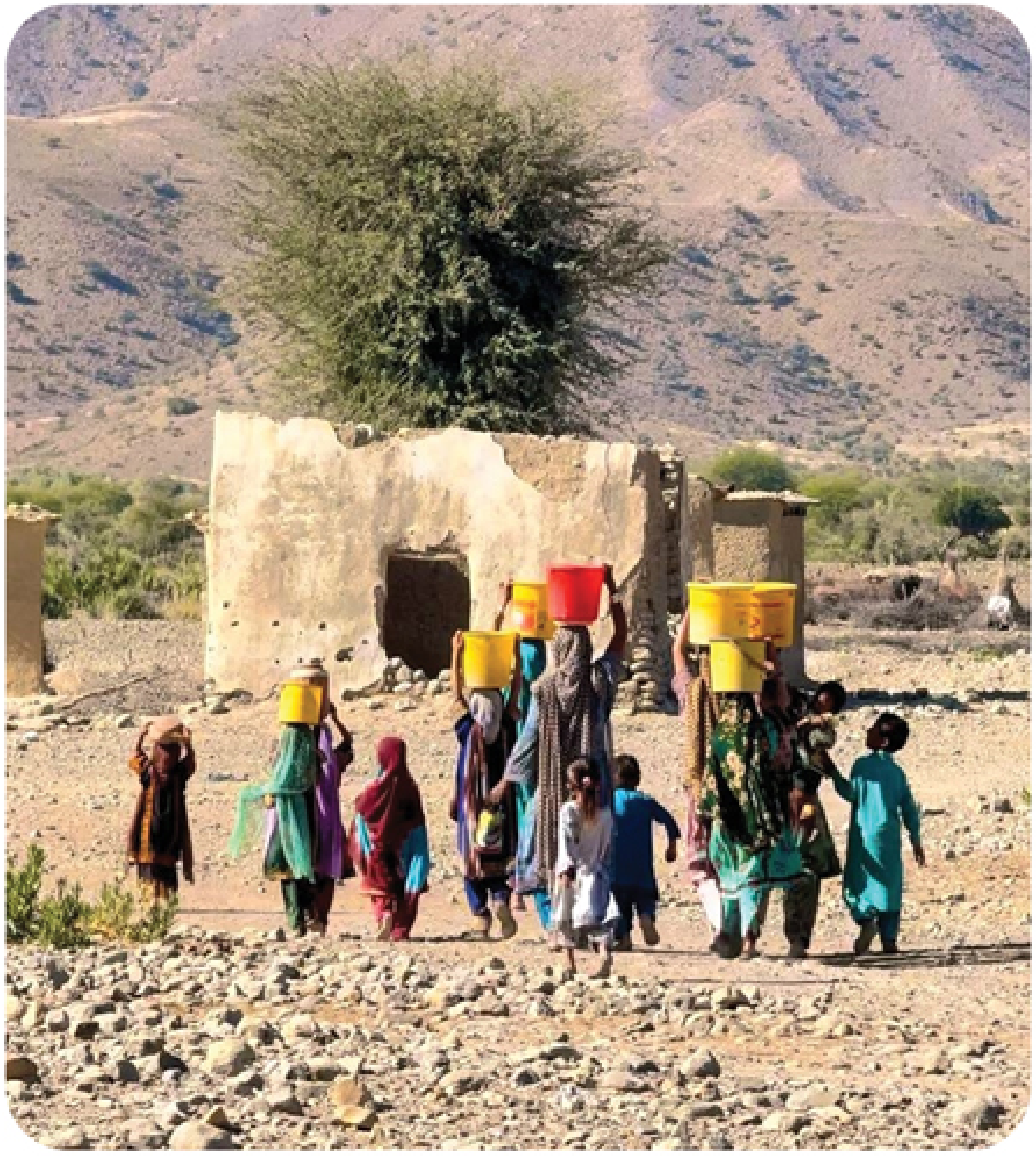

کیا گیا تو یہ علاقائی کشیدگی کو مزید بڑھا سکتا ہے۔

حکومتی پالیسیوں کی ناکامی

اگرچہ مختلف ادوار میں حکومتوں نے پانی کے بحران سے نمٹنے کے لیے منصوبے بنائے، مگر ان پر مؤثر عملدرآمد نہیں ہو سکا۔ چھوٹے ڈیمز، واٹر ہارویسٹنگ، اور جدید آبپاشی نظام جیسے اقدامات یا تو مکمل نہیں ہوئے یا ان کے نتائج محدود رہے۔ بلوچستان جیسے حساس علاقے میں ایک جامع، طویل المدتی اور مقامی سطح پر مبنی پالیسی کی ضرورت ہے، جو نہ صرف پانی کے استعمال کو منظم کرے بلکہ اس کے ذخائر کی بحالی کو بھی یقینی بنائے۔

ممکنہ حل: ایک مربوط حکمتِ عملی

بلوچستان میں بارش کم ضرور ہوتی ہے، مگر جو بھی ہوتی ہے اسے محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ گھروں، اسکولوں اور سرکاری عمارتوں میں اس نظام کو فروغ دینا ضروری ہے، بڑے ڈیمز کے بجائے چھوٹے اور درمیانے درجے کے ڈیمز زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں، جو مقامی سطح پر پانی کی ضروریات کو پورا کریں، ڈرپ اور سپرنکلر سسٹم جیسے طریقے پانی کے ضیاع کو کم کر سکتے ہیں اور زراعت کو پائیدار بنا سکتے ہیں، درخت لگانے اور زمین کی زرخیزی کو بحال کرنے سے نہ صرف ماحول بہتر ہوگا بلکہ پانی کے ذخائر بھی محفوظ رہیں گے، پانی کے محتاط استعمال کے لیے عوام میں شعور بیدار کرنا نہایت ضروری ہے۔ اسکولوں، میڈیا اور کمیونٹی پروگرامز کے ذریعے اس پیغام کو عام کیا جا سکتا ہے۔

عالمی دن، مقامی ذمہ داری

پانی کا عالمی دن ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ پانی صرف ایک قدرتی وسیلہ نہیں بلکہ زندگی کی بنیاد ہے۔ بلوچستان کی موجودہ صورتحال ایک وارننگ ہے، اگر ہم نے ابھی اقدامات نہ کیے تو کل بہت دیر ہو جائے گی۔

یہ مسئلہ صرف حکومت یا کسی ایک ادارے کا نہیں بلکہ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ جب تک ہم پانی کو ایک قیمتی اثاثہ سمجھ کر اس کا استعمال نہیں کریں گے، تب تک یہ بحران بڑھتا رہے گا۔

بلوچستان میں پانی کا بحران دراصل پاکستان کے مستقبل کا آئینہ ہے۔ اگر ہم نے اس مسئلے کو سنجیدگی سے نہ لیا تو یہ نہ صرف ایک ماحولیاتی بلکہ ایک انسانی المیہ بن جائے گا۔ پانی کے عالمی دن کے موقع پر ہمیں صرف تقاریب تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ عملی اقدامات کی طرف بڑھنا ہوگا۔ ہمیں یاد رکھنا ہوگا کہ پانی کی ہر بوند قیمتی ہے اور شاید آنے والے وقت میں یہی بوند ہماری بقا کا فیصلہ کرے گی۔

confidence. A regional war would not necessarily stop projects overnight, but it would raise security premiums, transport costs, and financing risk. That would slow exploration, equipment movement, road haulage, and new project decisions, especially in districts already considered security-sensitive. The province's own investment promotion materials emphasize mining as a flagship opportunity, which means investor sentiment is a key transmission channel.

5. Fisheries and the coastal economy - Medium to high impact:

Baluchistan's fisheries sector is strategically important and the province only recently adopted its first long-range fisheries and aquaculture policy. The policy itself highlights the need for reliable electricity, gas, finance, and value-chain support. War in or around the Gulf would raise marine insurance, fuel costs for boats, cold storage costs, and uncertainty around export logistics. That would squeeze margins for fishermen and processors at a time when the sector is supposed to move up the value chain.

6. Agriculture and livestock - Medium impact:

Agriculture remains one of Baluchistan's core economic pillars, so even if fighting is outside the province, farmers would feel it through diesel prices, transport costs, fertilizer and input costs, and weaker market access near the border belt. Livestock and perishable horticulture would be especially vulnerable where cross-border movement, trucking, or domestic freight becomes less reliable.

7. Transport, tourism, and informal services - Medium impact:

Road freight, pilgrim movement, small hospitality businesses, workshops, and repair services around border corridors would slow quickly. Baluchistan also tends to absorb the practical burden of evacuations, border management, and temporary humanitarian flows when regional crises intensify, which diverts administrative and fiscal attention away from development spending. Recent reporting on returns through Taftan and Gabd-Rimdan shows how quickly border districts become the frontline of crisis management.

8. Gwadar and strategic investment sentiment - Medium to high impact:

Gwadar's importance means the conflict would affect it less through direct trade loss alone and more through risk perception. If investors see the Arabian Sea, Hormuz-linked routes, and Pakistan's southwest as a higher-risk theater, port activity, logistics planning, industrial take-up, and tourism-linked investment could all slow, even without physical damage in Baluchistan itself. International media notes that the current war is already raising broad business concerns over route reliability, insurance, and supply chains.

Assessment for Baluchistan:

The province would likely face a mixed but mostly negative shock: immediate losses in border trade and transport; higher energy and consumer costs; pressure on fisheries, mining, and agriculture; and weaker investor confidence around Gwadar and mineral development. The districts most exposed would likely be Chagai, Panjgur, Kech, Gwadar, Washuk, and coastal Makran, with Quetta affected mainly through inflation, logistics, and refugee/border-management spillovers.

This is not mainly a demand shock; it is a corridor, energy, and confidence shock.

For Pakistan as a whole, the biggest challenges would be: a higher oil and energy import bill, renewed inflation, pressure on the rupee and current account, weaker business confidence, and more fiscal strain if the government tries to cushion fuel or power costs. That risk matters because Pakistan entered FY26 with much better macro conditions: SBP and IMF reports showed lower inflation, a stronger external position, and a return to a current-account surplus in FY25. A prolonged regional war would threaten part of that stabilization progress.

Conclusion:

While a potential Iran-USA war would create macroeconomic challenges for Pakistan, Baluchistan province would face the most immediate and localized economic disruptions due to its border exposure and strategic geography.

However, with proactive planning, Baluchistan can also position itself to benefit from regional trade diversification and maritime strategic importance.

BALOCHISTAN PROVINCE AT THE GEOPOLITICAL CROSSROADS:

ECONOMIC RISKS AND STRATEGIC IMPLICATIONS OF AN IRAN-USA WAR

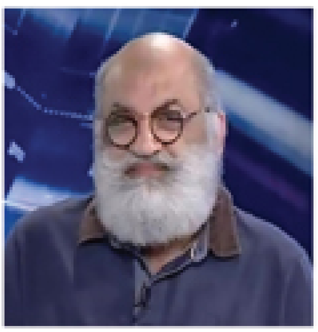

By Sardar Shoukat Popalzai
President - Baluchistan Economic Forum

Context: As of 13 March 2026, the U.S.-Israeli war with Iran is already disrupting shipping through the Strait of Hormuz, pushing oil prices higher, and creating wider trade and business shocks. That makes Baluchistan especially exposed because it sits on Pakistan's Iran border, hosts key crossings and border markets, and includes Gwadar/Makran, where trade, fisheries, energy supply, and investor sentiment are all sensitive to regional instability.

Strategic Context:

Baluchistan shares a 909 km border with Iran and hosts critical economic corridors linking Pakistan to the Middle East and Central Asia.

Key strategic features include:

· Border crossings at Taftan and Gabd-Rimdan, Coastal belt including Gwadar Port, Proximity to the Strait of Hormuz, through which nearly 20% of global oil trade passes, Mineral-rich districts including Chagai and Washuk.In the event of regional conflict, Baluchistan becomes a frontline economic exposure zone.

SECTORAL ECONOMIC IMPACT ON BALOCHISTAN

1. Border trade, barter trade, and local livelihoods - Severe impact:

This would be the fastest-hit sector. Pakistan and Iran have been trying to expand bilateral trade, with official references in 2025 to about $3 billion in existing trade and a target of $10 billion; they have also been operational zing barter trade and border markets because normal banking channels remain constrained. For Baluchistan, closures or restrictions at crossings such as Taftan and Gabd-Rimdan would immediately hit transporters, warehouse operators, small traders, fuel dealers, and daily-wage border communities in Chagai, Washuk, Panjgur, Kech, and Gwadar. Recent closures during regional fighting already showed how quickly pedestrian and local cross-border flows can be interrupted.

2. Energy, electricity, and fuel supply - Severe impact:

Baluchistan is more vulnerable than many provinces because the Makran/Gwadar side has had direct dependence on imported Iranian electricity. NEPRA/NTDC documents show the 100 MW import arrangement from Iran for Gwadar/Makran and note interim supply benefits in the 70-80 MW range while the permanent 220 kV link is completed. If war, sanctions escalation, or infrastructure damage disrupt this supply, Gwadar, Jiwani, Pasni and adjoining coastal areas could face sharper power shortages, hurting households, cold chains, ice plants, fisheries, hotels, and port-linked activity. At the same time, higher oil prices would raise diesel, transport, and generator costs across the province.

3. Inflation and household stress - High impact:

For Baluchistan's scattered settlements and long-haul supply chains, any fuel shock passes through quickly into food, transport, construction materials, and retail goods. SBP reports that lower oil prices had been helping contain inflation and support Pakistan's external balance; a war-driven reversal would therefore hit consumer prices upward again. In Baluchistan, where distance-to-market is already a structural cost, inflation would likely rise faster in remote districts than in core urban markets.

4. Mining and minerals - High impact:

Baluchistan's mining story depends on capital-intensive logistics, imported machinery, insurance, contractor mobility, and investor

EST. 1987
وی جی ملز اینڈ فارمز
زیادہ وزن، زیادہ دودھ
بھروسہ پکا!
وی جی کیٹل فیڈ خاص طور پر جانوروں کے وزن میں تیزی سے اضافے اور دودھ کی بہتر پیداوار کے لیے تیار کی گئی ہے، جس میں جانوروں کی صحت کو اولین ترجیح دی جاتی ہے۔ متوازن غذائیت اور معیاری اجزاء سے بھرپور یہ فیڈ مویشیوں کو روزانہ مضبوط، چست اور توانا رکھتی ہے۔ کسانوں کا بھروسہ، جو گوشت اور ڈیری فارمنگ دونوں میں بہترین کارکردگی اور دیرپا فائدہ فراہم کرے۔
یو اے این: 111-947-111 9221+
ویب سائٹ: www.vgmills.farm
سندھ اور بلوچستان کے لیے ڈسٹری بیوٹرز درکار ہیں
CATTLE FEED
حلال HALAL
وزن اور دودھ بڑھانے کے لیے
EST. 1987
VG CATTLE FEED
WEIGHT & MILK GAINER
بہترین غذائیت اور بھرپور توانائی کے ساتھ جانوروں کی صحت کا ضامن۔
40KG
www.vgmills.farm
Subsidiary of
VISIONARYGROUP

وش نیوز پوڈ کاسٹ
وش
NEWS
www.vshnews.tv
Subsidiary of
VISIONARYGROUP